Gulliver's Travels

Jonathan Swift

گلیورٹریولز

جوناتھن سوئفٹ

سید عرفان علی

1726

تاریخ ساز انگریزی ادب

جوناتھن سوئفٹ کا ظہور

تمام کتب کے اردو تراجم سید عرفان علی کے قلم سے
The Medieval Period 455 -1485
Old English (O.E) or Anglo-Saxon Period 450-1066 Beowulf
Middle English Period 1066-1500 1377 Piers Plowman by William Langland
The Age of Chaucer 1350-1400 1392 The Canterbury Tales Geoffrey Chaucer
The Renaissance / Reformation 1485-1660
Early Tudor Period 1485-1558 1517 Martin Luther 1530 Sir Thomas Wyatt Henry Howard, Earl of Surrey
The Elizabethan Age 1558-1603 Sir Philip Sidney 1578 – 1586 1587 Thomas Kyd The Spanish Tragedy Christopher Marlowe 1588-1593

William Shakespeare 1588-1613
1590
The Faerie Queene
Poem by Edmund Spenser

The Jacobean Age 1603-1625
Shakespeare's later work
John Donne 1590- 1617
Francis Bacon 1597- 1612.
Ben Jonson 1598- 1614
John Webster 1609- 1624

The Caroline Age 1625-1649
George Herbert,
Robert Herrick
Sons of Ben (devotion to Ben Jonson)

Neo-classical Period 1660-1798

Commonwealth Age / Puritan Age / Age of Milton 1649-1660
John Milton Paradise Lost 1658-1664
Andrew Marvell 1681 To His Coy Mistress

The Restoration Period or The Age of Dryden 1660-1700
John Dryden
William Congreve 1693-1700
John Bunyan - The Pilgrim's Progress - 1678

Augustan Age / Age of Pope 1700-1745
Alexander Pope The Rape of the Lock 1712
Lady Mary Wortley Montagu 1716
Daniel Defoe 1719-1724
Joseph Addison 1705- 1714
Richard Steele 1701 -1722

Dr. Jonathan Swift Gulliver's Travels 1726

گلیور ٹریولز جوناتھن سوئفٹ

گلیور ٹریولز جوناتھن سوئفٹ

PART I

A VOYAGE TO LILLIPUT

4 May 1699 to 13 April 1702

بہت چھوٹے انگوٹھے جتنی جسامت کے لوگوں کی سرزمین

للی پٹ اور بلے فسکیو کے بحری سفر کی داستان

PART II

A VOYAGE TO BROBDINGNAG

20 June 1702 to 3 June 1706

بہت بڑی جسامت کے لوگوں کی سرزمین بروبڈنگ نیگ میں

PART III

A VOYAGE TO LAPUTA, BALNIBARBI, GLUBBDUBDRIB, LUGGNAGG AND JAPAN

5 August 1706 to 16 April 1710

اڑنے والے جزیرے اور دوسرے ملکوں میں

PART IV

A VOYAGE TO THE COUNTRY OF THE HOUYHNHNMS.

7 September 1710 to 5 December 1715

باشعور اور عقلمند گھوڑوں کی سرزمین میں

گلیور کا پہلا سفر

A VOYAGE TO LILLIPUT

بہت چھوٹے انگوٹھے جتنی جسامت کے لوگوں کی سرزمین

للی پٹ اور بلے فسکیو کے بحری سفر کی داستان

میرے والد صاحب ناٹنگھم شائر میں چھوٹی سی جائیداد کے مالک تھے۔ ہم پانچ بھائی تھے اور میں تیسرے نمبر پر تھا۔ والد نے مجھے چودہ سال کی عمر میں کیمبرج کے ایمانوئل کالج میں بھیجا جہاں میں تین سال تک دل لگا کر تعلیم حاصل کرتا رہا۔ بہت کم پیسوں میں میرا گزارہ ہو جاتا تھا۔ پھر لندن کے ایک قابل سرجن مسٹر جیمز بیٹس کے پاس میڈیکل کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے شاگردی اختیار کرلی۔ چار سال ان کے پاس گزارے۔ میری اسی وقت خواہش تھی کہ بحری سفر کروں گا اس لئے میرے والد صاحب جو تھوڑا بہت خرچہ بھیجتے وہ سمندری سفر سے متعلقہ علوم حاصل کرنے پر لگا دیتا۔

مسٹر بیٹس سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد دو سال سات مہینے تک فزکس کی تعلیم حاصل کرتا رہا جو سمندر کے طویل سفروں کے لئے ضروری تھی۔ مجھ سے محبت کرنے والے سرجن جیمز بیٹس نے پہلے مجھے ایک بحری جہاز پر بطور ڈاکٹر نوکری دلوا دی جو ساڑھے تین سال تک کی۔ اور پھر انکی مدد سے ہی لندن میں رہائش اختیار کر کے مریضوں کا علاج شروع کر دیا۔ شادی بھی کرلی مگر اپنے محبت کرنے والے استاد کی وفات کے بعد میرے مریض بہت کم ہو گئے تو سوچا کہ بحری جہاز پر نوکری کرنی چاہیے اور دو بحری جہازوں میں چھ سال تک ملازمت کرتا رہا۔ سفر کے دوران کام کے بعد کتب کا مطالعہ کرتا۔ ذہن اچھا ہونے کی وجہ سے جس علاقے میں بھی جاتا وہاں کے طور طریقے اور زبان سیکھنے لگتا۔ تین سال سمندر میں ملازمت کے بعد ایک عجیب سفر کے بارے میں آپکو بتاتا ہوں۔

میرے سفر کی ابتدا چار مئی سولہ سو نناوے کو ہوئی۔ چند دن کے خوشگوار سفر کے بعد ایک خطرناک طوفان نے بحری جہاز کے ٹکڑے کر دیے۔ میرے ساتھی تو اس طوفان کی وجہ سے اپنی زندگیوں سے ہاتھ دھو بیٹھے مگر خوش قسمتی سے میں ایک جزیرے تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس جزیرے کا نام للی پٹ تھا اور یہاں کے باشندے یعنی للی پیوشینز بہت ہی چھوٹے تقریباً چھ انچ کے تھے۔ انہوں نے جب ایک پہاڑ جیسے انسان کو سمندر کے کنارے اپنے ملک میں سوتے ہوئے دیکھا تو مجھے رسیوں اور زنجیروں سے باندھ دیا۔ اگر میں آزاد ہوتا تو وہاں کے پانچ سو باشندے بھی مل کر مجھے قابو نہ کر سکتے تھے۔

ابتدا میں تو یہ انسان ہماری توجہ اور ہمدردی حاصل کرتے ہیں مگر جلد ہی ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ یہ کس قدر مغرور حسد کرنے والے سازشی تھے۔ اور ایک ایسا بادشاہ وہاں کا حکمران تھا جو اپنے ہمسایہ ممالک کو تباہ کرنے غلام بنانے کا خواہشمند تھا۔ اس ملک کا سیاسی اور سماجی ڈھانچہ کرپشن اور بدانتظامی کا شکار تھا۔ یہاں کے وزراء کو ان کی قابلیت اور میرٹ کے ساتھ ساتھ رسوں پر چلنے کے ہنر کی وجہ سے مقرر کیا جاتا تھا اور اسی بنیاد پر برتری اور بلند مرتبے بھی دیئے جاتے تھے۔ درحقیقت

اور اس نے انگلینڈ کے بہت سے اداروں یعنی گورنمنٹ چرچ اور تاریخی واقعات جیسے انگلش سول وار اور ریفارمیشن وغیرہ اور اہم افراد پر للی پٹ کا نام لیتے ہوئے طنزیہ رویہ اختیار کیا ہے۔ جبکہ آگے آنے والے ملک بلے فسکیو کو فرانس کہا جا سکتا ہے۔

میں زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ ارد گرد سے گھبرائے ہوئے لوگوں کی آوازیں آ رہی تھیں اور سورج کی سخت روشنی سے آنکھیں کھولنا مشکل تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ کوئی چیز میرے پیروں پر چڑھی ہے اور آہستہ آہستہ چہرے کے قریب پہنچ گئی۔ میں نے سر کو جھکایا اور دیکھا کہ یہ چھ انچ کا انسان تھا جس کے ہاتھ میں تیر کمان تھا۔ آہستہ آہستہ بہت سے دوسرے بھی اسی طرح میرے اوپر چڑھ گئے۔ خوف اور حیرت کی وجہ سے میں نے چیخ ماری۔ جس کی وجہ سے گھبرائے ہوئے بونے نما انسان نیچے گرے مگر جلد ہی دوبارہ اوپر چڑھ گئے۔ کوشش کر کے میں نے اپنے ہاتھ اور بالوں کی رسّی کو ڈھیلا کر لیا۔ مگر اس کے بعد ٹال گو فونک کی آواز سنی اور بہت سے تیر مجھے لگے اور بہت تکلیف محسوس کی۔ اپنے آپ کو آزاد کرانے کی کوشش کی۔ مگر جیسے جیسے کوشش تیز ہوئی تیروں کی بوچھاڑ میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ لہذا ہلنا جلنا بالکل بند کر دیا تاکہ تیر چلنے بند ہو جائیں۔

ایک اسٹیج بنایا گیا اور اہمیت کے حامل ایک شخص سردار ہر گو نے اس پر چڑھ کر مجھ سے طویل خطاب کیا۔ اپنی تقریر سے پہلے تین مرتبہ اس نے بلند آواز سے اپنی زبان میں نعرہ لگایا۔ جس پر میری بائیں جانب کی رسیاں کاٹ کر مجھے اس طرف دیکھنے کے قابل بنا دیا گیا۔ ہر گو کی تقریر کا کوئی لفظ تو میری سمجھ نہ آیا مگر یہ ضرور پتہ چل گیا کہ اس میں دھمکی بھی ہے اور ہمدردی بھی۔

اسے اشارے سے بتایا کہ بھوکا ہوں۔ اسے بات سمجھ میں آگئی اور ایک سو چھوٹے آدمی میرے اوپر چڑھ کر منہ میں روٹی اور گوشت ڈالتے رہے۔ گوشت خوش ذائقہ اور مختلف قسم کا تھا مگر بہت ہی چھوٹا۔ میں نے خوش ذائقہ مشروب بھی پیا۔ وہ لوگ میری اتنی زیادہ

ایک افسر نے مجھے بادشاہ کا حکم نامہ دکھایا اور شہر کی طرف اشارہ کیا کہ بادشاہ کے حکم پر مجھے ایک قیدی کے طور پر وہاں لے جایا جائے گا۔ ایک اچھے مرہم سے جسم کی مالش کی گئی جس سے تیروں کا درد ختم ہو گیا۔ بے ہوشی کی اس دوا کی وجہ سے جو کہ کھانے میں ملا دی گئی تھی میں گہری نیند سو گیا۔ نیند سے جاگنے پر محسوس کیا کہ ابھی بھی بندھا ہوا ہوں مگر اب زمین کے بجائے ایک پلیٹ فارم نما چیز پر لیٹا ہوا تھا۔ چند انچ اونچی اور چار فٹ لمبی ٹرالی تیار کی گئی تھی جسے وہاں کے بادشاہ کے پندرہ سو بہترین گھوڑے کھینچ رہے تھے اور مجھے پلیوں کی مدد سے اس پر لٹا کر اور باندھ کر شہر کی طرف رواں دواں تھے جو آدھا میل دور تھا۔ دوسرے دن جب میں شہر پہنچا تو بادشاہ اپنے درباریوں اور عوام کے ساتھ مجھے یعنی پہاڑ نما انسان کو دیکھنے آیا۔

میری رہائش کا انتظام ایک پرانے مندر میں کیا گیا جس کے دروازے چار فٹ بلند اور دو فٹ چوڑے تھے۔

یہ اس جگہ کی سب سے پرانی عمارت تھی۔

دراصل سوئفٹ طنزیہ انداز میں اس مندر کو ویسٹ منسٹر سے تشبیح دے رہا ہے۔ جہاں اہم افراد کو موت کے منہ میں دھکیل دیا گیا تھا۔

مجھے اب صرف ایک زنجیر سے قابو کیا گیا تھا جو چھ فٹ لمبی تھی۔ ورزش کر سکتا تھا اور چل پھر بھی سکتا تھا۔ بادشاہ خود بھی مجھے دیکھنے وہاں آیا اور کھانا دینے کا حکم دیا۔ عالی جناب مجھ سے کئی مرتبہ مخاطب ہوئے۔ میں نے بھی عالی جناب کو جواب دیئے مگر ہم دونوں کو ایک دوسرے کا ایک لفظ بھی سمجھ نہ آسکا۔ میں نے گفتگو کے انداز سے پہچان لیا کہ بادشاہ سلامت کے ساتھ پجاری اور وکلاء بھی آئے تھے۔ انہوں نے بھی مجھ سے بات کرنے کی کوشش کی اور میں نے وہ تمام زبانیں استعمال کیں جو کہ میں بول سکتا تھا۔ ہائی اینڈ لوڈچ لاطینی فرانسیسی سپینش اٹالین اور لنگووفرانکا۔ مگر کوئی بھی انہیں سمجھ نہ آئی۔

بادشاہ سلامت کے حکم سے میرے لئے جو کھانا لایا گیا وہ بیس چھکڑوں پر لدا ہوا تھا۔ ایک مرتبہ بادشاہ کے جانے کے بعد وہاں کے لوگوں نے مجھ سے بہت بدتمیزی کی اور مجھ پر تیر بھی برسائے۔ مگر وہاں کے محافظوں نے سب سے زیادہ شرارتی چھ لوگوں کو پکڑا باندھا اور میرے قریب کر دیا۔ پانچ کو میں نے اپنی جیب میں رکھا اور چھٹے کو اس طرح اپنے منہ کے قریب لے گیا جیسے اسے کھا جاؤں گا۔ پھر اپنا چاقو نکالا۔ تمام لوگ اور محافظ پریشان تھے۔ مگر اس چاقو سے بندھے ہوئے لوگوں کی رسیاں کاٹ کر انہیں آزاد کر دیا۔

بادشاہ نے اپنے درباریوں سے میرے مستقبل کے بارے میں مشورہ کیا۔ چند نے مار ڈالنے کو کہا۔ مگر میری لاش سے شہر میں بیماریاں پیدا ہو سکتی تھیں۔ آخر بادشاہ نے حکم دیا کہ روزانہ صبح قریبی دیہات سے میرے لئے چھ گائیں اور چالیس بھیڑیں اور وافر مقدار میں روٹی اور شراب بھی بھیجی جائے۔ میرا کھانا وہاں کے کم از کم سترہ سو چوبیس لوگوں کے برابر تھا۔

جب میں ان کی زبان سمجھنے لگا تو مجھے پتا چلا کہ اس جگہ کے لوگ اپنے ملک اور نزدیکی ملک بلوفوسکو کو ہی تمام دنیا خیال کرتے تھے اور یہ کہ میں یقینی طور پر کسی چاند یا ستارے سے گرا ہوں کیونکہ اس زمین پر اتنی بڑی مخلوق ممکن ہی نہ تھی۔ انہیں اپنے بارے میں بتایا لیکن

انہوں نے میری باتوں پر یقین ہی نہ کیا۔ میں نے بادشاہ سے اپنے آزاد ہونے کی درخواست کی جس پر مجھے کہا گیا کہ میرے اچھے طرز عمل پر ایسا کیا جا سکتا ہے۔

بادشاہ کے حکم پر میری تلاشی لی گئی۔ پستول گولیوں اور تلوار کے علاوہ باقی تمام چیزیں مجھے واپس کر دی گئیں۔ میرے آزاد ہونے میں میرے طرز عمل میں بہت اہم کردار ادا کیا۔ درباریوں عوام اور فوج نے میری آزادی کی حمایت کی۔ بچے میرے بالوں میں چھپن چھپائی کھیلتے اور آدمیوں کو بھی اپنے ہاتھ میں اٹھا کر کھیلنے کا موقع دیتا۔ میں ان کی زبان بھی سیکھنے لگا۔

بادشاہ کی دعوت پر لوگوں کے رسے پر چلنے کا مظاہرہ دیکھا۔ اعلیٰ منصب حاصل کرنے کے لیے رسوں پر چل کر دکھانا لازمی تھا۔ اس دوران لوگ رسوں سے گرتے اور مرتے مرتے بچے۔ ایک اور کھیل میں بادشاہ کی چھڑی کے نیچے سے لوگ گزرتے اور انعام کے طور پر نیلے سرخ اور سبز رنگ کے دھاگے حاصل کرتے۔

در حقیقت یہاں سوئفٹ تنقید کر رہا ہے انگلستان کے اداروں کی کہ وہاں پر بھی

میں نے بھی چند کھیل اپنے رومال کو چھڑی میں باندھ کر اور چھوٹے قد کے گھوڑوں کے ساتھ بادشاہ کو دکھائے۔ تین ہزار پیدل اور ایک ہزار گھوڑوں پر موجود شاندار فوج بینڈ کی دھن کے ساتھ ہوا میں جھنڈے بلند کرتے ہوئے میری ٹانگوں کے درمیان سے جب گزری تو دیکھنے والا نظارہ تھا۔

وزیر سکریش بل گولم نہ جانے کیوں میرا دشمن بن گیا تھا اور اس کے علاوہ کسی کو بھی میری رہائی پر اعتراض نہیں تھا۔ بہت سے دوسرے لوگوں نے میری رہائی کے حق میں بہت زیادہ دلائل دیے تو وزیر سکریش بل گولم کو یہ بات مجبوری سے ماننی پڑی۔ مگر پھر اس نے میری رہائی کے لئے سخت شرائط ترتیب دیں۔ وہ ان شرائط کے ساتھ میرے پاس آیا اور مجھے کہا کہ میں انہیں قبول کرنے کی

قسم کھاؤں۔ میں نے ان کے انداز سے قسم کھائی۔ اپنے سیدھے پاؤں کو الٹے ہاتھ سے پکڑا اور اپنے سیدھے ہاتھ کی درمیانی انگلی کو اپنے سر پر رکھا اس طرح کے انگوٹھا سیدھے کان کے قریب ہو۔

اب میں شرائط کا ایک ایک لفظ بیان کرتا ہوں۔

للی پٹ کا عالیشان بادشاہ جو مہربان بھی ہے اور جابر بھی۔ جس کی بارہ ہزار میل کی عظیم الشان سلطنت زمین کی آخری حدوں کو چھوتی ہے۔ بادشاہوں میں اس کا کوئی مدمقابل نہیں۔ تمام انسانوں میں سب سے عظیم جس کے پیر زمین کی گہرائیوں میں اور سر آسمان کی بلندیوں کو چھوتا ہے۔ اس کے ایک اشارے سے روئے زمین کے تمام بادشاہ

شہنشاہ عالم اپنے ملک میں آنے والے پہاڑ جیسے انسان کی آزادی کے لئے مندرجہ ذیل شرائط رکھتے ہیں۔

یہ کہ ہماری تحریری اجازت کے بغیر ہمارے ملک سے باہر قدم نہیں رکھے گا۔

ہمارے شہروں کے اندر ہماری اجازت کے بغیر قدم نہیں رکھے گا۔ اور جب ہماری اجازت سے ایسا کرے گا تو تمام عوام کو پہلے سے اطلاع دے دی جائے گی۔

جب ہمارے ملک کے اندر چلے گا تو کھیتوں وغیرہ کو بالکل خراب نہیں کرے گا۔ صرف بڑی شاہراہ پر قدم رکھے گا۔

ہمارے ملک کا کوئی بھی باشندہ اس کے پیروں کے نیچے نہیں آئے گا نہ ہی اسے اجازت ہے کہ کسی باشندے کو ہاتھ میں اٹھائے۔

کسی پیغام کو اگر بہت جلدی پہنچانا مقصود ہو گا تو ہر مہینے پیغام لے جانے والے اور اس کے گھوڑے کو جیب میں رکھ کر چھ دن کی مسافت طے کرے گا اور اگر ضرورت پڑی تو واپس بھی لے کے آئے گا۔

بلیو فسکو ہمارا دشمن ہم سے لڑائی کے لیے اپنے جنگی بحری بیڑے کو تیار کر رہا ہے تو ہمارا ساتھ دیتے ہوئے اس تمام جنگی بیڑے کو ہمارے پاس لے آئے گا۔

شاہی عمارتوں کی تعمیر کے سلسلے میں بہت بھاری پتھر جہاں حکم دیا جائے گا وہاں پہنچائے گا۔

اپنے قدموں کے ذریعے تمام ملک کا رقبہ معلوم کر کے حساب کر کے بادشاہ سلامت کو بتائے گا۔

ان شرائط پر قسم کھانے کے بعد اسے روزانہ خوراک دی جائے گی۔

شہنشاہ عالم سے ملاقات کی بھی اجازت ہوگی اور دوسرے انعامات بھی عطا کیے جائیں گے۔

اگرچہ یہ شرائط میرے خلاف جاتی تھیں مگر میں نے پھر بھی ان شرائط

۔ اور آزادی ملنے کے بعد وہاں کے بڑے شہر کی سیر کو گیا جس کی آبادی پانچ لاکھ کے قریب تھی۔ بادشاہ کا محل شہر کے درمیان میں واقع تھا۔ شہر کی دیوار ڈھائی فٹ بلند اور گیارہ انچ چوڑی تھی۔ جس پر گھوڑے آسانی سے چل سکتے تھے۔ تمام عوام کو کہہ دیا گیا تھا کہ نقصان سے بچنے کے لیے اپنے گھروں کے اندر ہی رہیں۔ بادشاہ کی خواہش تھی کہ میں اس کے عالی شان محل کو دیکھوں۔ مگر یہ کام کرنے کے لیے مجھے بادشاہ کے باغ سے جو کہ شہر سے ایک سو فٹ کے فاصلے پر تھا بلند ترین درخت تین دن تک کاٹ کر دو سٹول جو تین فٹ بلند تھے اور میرا بوجھ سہار سکتے تھے بنانے پڑے۔ میں گلیور دوبارہ شہر آیا۔ ایک سٹول پر کھڑا ہوا اور دوسرے کو آگے خالی جگہ پر رکھ کر اس پر کھڑا ہوا اور اس طرح محل تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ ملکہ اور شہزادی اور وہاں موجود تھیں۔ ملکہ نے کھڑکی سے اپنا ہاتھ باہر کیا تاکہ میں اسے بوسہ دے سکوں۔ میں اس ملک میں نو مہینے تیرہ دن رہا۔

دو ہفتے گزر گئے اور ایک بہت بڑا افسر اپنے ملازم کے ساتھ مجھ سے ملنے آیا جس نے مجھ پر کچھ احسانات بھی کیے تھے۔ میں نے کہا کہ میں بیٹھ کر اس کی بات سنتا ہوں مگر اس نے کہا کہ اسے اٹھا کر میں اپنے کانوں کے قریب لے جاؤں۔ اس نے مجھے آزادی کی مبارک باد دی اور پھر کہنے لگا کہ ملک کو دو بڑی اور مشکل صورتحال کا سامنا ہے۔ ایک ملک کے اندر عوام کے درمیان۔ یعنی کچھ لوگ چاہتے

ایک اور لڑائی کا سبب ان لوگوں کے درمیان تھا جو اونچی ایڑھی کا جوتا پہننے والے تھے اور دوسرے چھوٹی ایڑھی کا جوتا پہننے والے۔ قدیم دور تو اونچی ایڑھی پر زور دیتا تھا مگر بادشاہ سلامت چھوٹی ایڑھی پہننے والوں کے ساتھ تھے۔ یہ دونوں گروپ نہ تو آپس میں بات چیت کرتے ہیں نہ کھانا پینا اور نہ اٹھنا بیٹھنا۔ اگرچہ تعداد میں اونچی ایڑھی والے زیادہ ہیں مگر طاقت میں ہم یعنی چھوٹی ایڑھی والے۔ ان محاذ آرائیوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہمسایہ ملک بلے فسکیو جو کہ طاقت میں ہمارے برابر ہی ہے ہمارے ملک پر حملہ کرنے والا ہے۔ بلے فسکیو سے ان کی لڑائی کی بنیاد کچھ اس طرح تھی کہ چونکہ موجودہ بادشاہ کے آباؤ اجداد انڈے کو بڑے حصے سے توڑتے ہوئے زخمی ہوئے لہٰذا فیصلہ کیا گیا کہ انڈے کو ہمیشہ چھوٹے حصے سے توڑا جائے گا۔ بڑے حصے سے توڑنے والے بلے فسکیو میں اس قدر اہمیت حاصل کر گئے کہ ان سے ہماری بہت عرصے سے جنگ جاری ہیں۔ ہمارے 30 ہزار بہترین جوان ان جنگوں میں مارے جا چکے ہیں اور دشمن کے اس سے کہیں زیادہ۔

اب دشمن ایک بڑے جنگی بحری بیڑے کے ساتھ ہم پر حملہ کرنے والا ہے۔ میں نے دشمن کے خلاف کام کرنے کی حامی بھر لی۔ بلیو فسکیو کو اس ملک سے ایک ندی جدا کرتی تھی۔ جو آٹھ سو گز چوڑی اور چھ فٹ گہری تھی۔

میں نے منصوبہ بنایا کے دشمن کے تمام جہازوں کو ہی کھینچ کر لے آنا چاہیے۔ اپنی دوربین سے دشمن کا جائزہ لیا اور مضبوط تاروں سے ایک لمبی رسی تیار کی۔ پھر دشمن کے نزدیک جا پہنچا۔ دشمن ملک کے سپاہی مجھ جیسے بڑے دیو کو دیکھ کر جہازوں سے چھلانگیں لگا کر

بھاگے اور کناروں سے مجھ پر تیر برسانے لگے۔ مگر میں جہازوں کو اپنی رسی سے باندھ کر للی پلٹ لانے میں کامیاب ہو گیا۔ بادشاہ کنارے پر میرا انتظار کر رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ دشمن نے مجھے مار دیا ہے۔ اور جو جہاز سمندر میں نظر آ رہے ہیں وہ دشمن کے ہیں۔ کیونکہ میں تو پانی میں تیرنے کی وجہ سے نظر نہیں آ رہا تھا۔ مگر جب انہوں نے مجھے اور میرے کارنامے کو دیکھا تو ملک کا سب سے بڑا اعزاز نورڈک عطا کیا۔ بادشاہ نے مزید خواہش ظاہر کی کہ میں دشمن کے تمام جہازوں کو اسی طرح لے آؤں تاکہ وہ دشمن ملک اور اس کے عوام کو اپنا غلام بنا سکے اور وہ دنیا کے واحد حکمران بن جائیں۔ میں نے اس بات سے انکار کر دیا کیونکہ آزاد انسانوں کو غلام بنانا کسی

تین ہفتوں کے بعد بلے فسکیو نے للی پٹ سے دوستی کی خواہش ظاہر کی اور اس ملک کی تمام شرائط مانتے ہوئے صلح کر لی اور مجھے بھی اپنے ملک آنے کی دعوت دی۔ میں نے کہا کہ ہاں اپنے ملک جانے سے پہلے وہاں پر ضرور آؤں گا۔ اپنے بادشاہ سے اجازت طلب کی جو کہ بادشاہ نے دے تو دی مگر دل سے بہت برا منا چکا تھا۔ مجھے یہ بھی پتہ چلا کہ میرے دشمن میرے سخت خلاف ہو چکے ہیں۔ خاص طور پر فلم نیپ اور بولگولوم نے میرے بلے فسکیو کے سفیروں سے ملاقات کو میرے بہت سخت خلاف استعمال کیا اور لوگوں کو میرے خلاف کرنے کی کوشش کی۔ یہاں میں یہ بتاتا چلوں کہ بلے فسکیو کے سفیروں سے میں نے مترجم کے ذریعے سے بات کی۔ کیونکہ یورپ کے ممالک کی طرح ان دونوں ممالک کی زبان بھی بالکل مختلف ہے۔

ایک روز ملکہ کے محل میں شدید آگ لگ گئی۔ میں نے پانی کے کم ہونے کی وجہ سے آگ اپنے پیشاب سے بجھا دی۔ خیال کر رہا تھا کہ ملکہ خوشی کا اظہار کرے گی کہ اس کے محل کو جلنے سے بچایا۔ مگر ملکہ نے اس طریقے سے آگ کو بجھانے کا بہت برا منایا اور میرے دوسرے دشمنوں نے بھی بادشاہ کو میرے خلاف بہت اکسایا۔

میرے اپنے یورپ کے ممالک کی طرح ان دونوں ممالک میں بھی بہت شدید لڑائی تھی اور ہر معاملے میں دونوں اپنی برتری چاہتے تھے۔ میں نے اپنی آزادی کے لئے جو شرائط قبول کی تھیں ان میں سے کچھ مجھے دل سے قبول نہ تھیں۔

آپ کی خدمت میں آپ کی حیرانی دور کرنے کے لئے میں بتاتا چلوں کے یہاں کے لوگوں کا قد چھ انچ کے قریب تھا اور اسی مناسبت

پیدا کیا گیا اور یہ فطرت کا قانون ہے۔ فراڈ دھوکہ دینے کی سزا چوری سے زیادہ تھی۔ ان کے سب سے زیادہ بلند درخت بھی سات فٹ کے تھے۔ ان کی لکھائی نہ دائیں سے بائیں نہ بائیں سے دائیں نہ اوپر سے نیچے اور نہ نیچے سے اوپر بلکہ ایک کنارے سے دوسرے کنارے کی طرف جاتی تھی۔

ان کے کچھ قوانین کا موازنہ میں نے جب اپنے ملک سے کیا تو شرم محسوس کی۔ مگر صرف اس بات پر اکتفا کیا کے ہر ملک کے اپنے قوانین اور سوچ ہوتی ہے۔ لڑکوں اور لڑکیوں کو یکساں تعلیم دی جاتی تھی۔ نو ماہ اور تیرہ دن میں نے اس ملک میں گزارے۔ تین سو درزیوں نے میرے کپڑے سیے۔ تین سو باورچی میرے لیے کھانا پکاتے اور دوسرے بہت سے ویٹر مجھے کھانا پیش کرتے۔ گوشت بہترین ہوتا۔ ایک دن چند اہم لوگ میرے ساتھ کھانے میں شریک ہوئے۔ جن کے ساتھ فلم نیپ جو کہ میرا دشمن تھا وہ بھی شامل تھا۔ بعد میں اس نے بادشاہ سے شکایت کی کہ میرے اسی طرح کھانے سے خزانے پر بہت زیادہ بوجھ پڑ رہا ہے جس سے ملک میں قحط کی صورتحال پیدا ہو سکتی ہے۔

مجھ سے ملنے اس ملک کی بہت سی خواتین بھی آتی تھیں۔ میرے دشمن فلم نیپ کی بیوی بھی ان میں شامل ہوتی تھی تو میرے دشمن نے مجھ پر الزام لگا دیا کہ اس کی بیوی کے میرے ساتھ ناجائز تعلقات ہیں۔ یہ الزامات تو بے بنیاد تھے مگر ان سے بادشاہ کے دل میں میرے خلاف برائی ضرور بڑھا دی گئی۔ اگرچہ میں اپنے آپ کو ان الزامات سے صاف کرنے میں کامیاب ہو گیا اور میرے دشمن کے اس کی بیوی کے ساتھ تعلقات بھی درست ہو گئے۔

اب میں بتاتا ہوں کہ میں نے وہ ملک کیوں چھوڑا۔ پچھلے دوماہ سے میرے خلاف خفیہ طور پر ایک سازش تیار کی جا رہی تھی۔ میرا ارادہ بلے فسکیو ملک کے بادشاہ سے ملنے کا تھا۔ اسی دوران ایک بہت اہمیت کا حامل شخص خفیہ طور پر مجھ سے ملنے آیا۔ اس شخص کی میں نے اس وقت بہت مدد کی تھی جب لوگ اس کے بہت زیادہ خلاف تھے۔ میں نے دروازہ بند کیا اور اسے میز پر اپنے سامنے بٹھالیا۔ وہ بہت

الزامات یہ ہیں کہ میں نے دشمن کے تمام جہازوں کو بادشاہ کے حکم کے باوجود لانے سے انکار کر دیا۔ ملکہ کے محل میں جو آگ لگی تھی اسے اپنے پیشاب سے بجھایا۔ دشمن ملک کے سفارت کاروں سے ملاقات کی۔ اور مزید یہ کہ میں اس دشمن ملک میں جانے کا بھی ارادہ رکھتا ہوں۔ جبکہ اس کی صرف زبانی اجازت دی گئی ہے۔ ان کے علاوہ دوسرے بہت سے الزامات بھی شامل کیے گئے تھے۔ میرے شدید ترین دشمنوں نے ان الزامات کو تحریری شکل دی تھی اور قانونی ماہرین بھی اس سے اتفاق کر چکے تھے۔

مجھے سزا یہ دی جانی تھی کہ رات کو جلا کر مجھے مار دیا جائے یا زہر سے بھرے ہوئے تیروں سے مجھے موت کے منہ میں دھکیل دیا جائے۔ مگر میرے چند دوستوں نے یہ بات کہی کہ چھوٹی سزا دی جانی چاہئے اور خدمات کے صلے میں زندگی تو رہنے دی جائے مگر آنکھوں سے محروم کر دیا جائے۔ تاکہ آنکھیں نہ ہونے کی وجہ سے میں اس ملک کے لیے کام کرتا رہوں اور بادشاہ کی رحمدلی کی بھی تمام دنیا تعریف کرتی رہے۔ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ تم دشمن ملک کے عوام کو دل سے پسند کرتے ہو۔ آخری فیصلہ یہ کیا گیا تھا کہ مجھے تین دن کے بعد میرے الزامات بتائے جائیں گے اور تیس سرجن میری آنکھوں کو تیز تیروں سے ختم کر دیں گے۔ مزید یہ بات بھی سوچی گئی تھی کہ مجھے کم خوراک دے کر مار دیا جائے اور میرے ڈھانچے کو یادگار کے طور پر اس ملک میں رہنے دیا جائے۔ یہ بات بتانے کے بعد وہ نیک انسان وہاں سے رخصت ہو گیا۔

وہاں کے بادشاہ کی عادت تھی کہ جتنی ہمدردی وہ جتاتا اتنی ہی سخت سزا اس شخص کو دے رہا ہوتا۔ میرے پاس اتنی طاقت تھی کہ ان بونوں کے ملک کو مکمل تباہ و برباد کر سکتا تھا۔ مگر ان کے ماضی کے اچھے رویے کی وجہ سے میں نے فوری طور پر نزدیکی ملک یعنی بلے فسکیو جانے کا ارادہ کر لیا اور وہاں پہنچ گیا۔ وہاں کے لوگوں نے میرا زبردست استقبال کیا۔ بادشاہ اپنے تمام درباریوں کے ساتھ میرے استقبال کے لئے آیا۔ میں نے زمین پر لیٹ کر بادشاہ کے ہاتھ چومے اور کہا کہ اگر میں اس کے کسی کام آسکوں تو میرے لئے خوشی کی بات ہو گی۔ میں وہاں تین دن رہا۔ پھر سمندر میں ایک کشتی مجھے نظر آئی۔ وہاں موجود لوگوں کی مدد سے میں اسے کنارے پر لے آیا اور بادشاہ سے درخواست کی کہ کشتی کو ٹھیک کرنے میں میری مدد کی جائے تاکہ میں واپس جا سکوں۔

جہاں تک تعلق للی پٹ یعنی میرے پچھلے ملک کا تھا وہاں کے لوگ پہلے سمجھے کہ مجھے اپنی سزا کا کچھ علم نہیں اور میں صرف اپنے وعدے کو پورا کرنے کے لئے بلے فسکیو چلا گیا ہوں۔ بعد میں للی پٹ سے پیغام آیا کہ میں چونکہ وہاں سے فرار ہوا ہوں لہٰذا مجھے دو گھنٹے کے اندر واپس کر دیا جائے۔ بلے فسکیو کے بادشاہ نے یہ بات ماننے سے انکار کر دیا اور مجھے اپنے ملک میں رہنے کی اجازت دے دی۔ مگر میری خواہش تھی کہ جلد از جلد کشتی میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہو جاؤں۔ بادشاہ نے تحفے کے طور پر چھوٹے سائز کی گائیں بھیڑیں اور دوسری چیزیں مجھے تحفے میں دیں۔

ایک ماہ بعد کشتی کی مرمت کے بعد میں نے بادشاہ کے ہاتھ میں بوسہ دیا۔ چوبیس ستمبر سترہ سو ایک کو وہاں سے روانہ ہو گیا۔ میرا ارادہ کسی جزیرے پر پہنچنے کا تھا۔ جلد ہی مجھے ایک جہاز نظر آیا۔ میں نے اپنے چھوٹے جانور اپنی جیب میں ڈالے اور اس جہاز میں سوار ہو

گلیور کا دوسرا سفر

A VOYAGE TO BROBDINGNAG

بہت بڑی جسامت کے لوگوں کی سرزمین بروب ڈنگ نیگ میں

میں سکون کی زندگی بسر کروں یہ میری قسمت میں ہی نہیں لکھا تھا۔ جن مشکلات کا میں نے سامنا کیا تھا جلد ہی انہیں بھول گیا۔ گھر میں دو ماہ رہنے کے بعد دل گھبرا گیا اور سمندری سفر کی خواہش پیدا ہوئی۔ اس لئے بیس جون سترہ سو دو کو دوبارہ ایک جہاز جس کا نام ایڈونچر تھا اس میں سفر شروع کیا۔ جہاز بہت اچھے طریقے سے سفر کرتا رہا اور ہم سمندر کے درمیان ایک خشک جگہ پر پہنچے جہاں سے تازہ پانی ی حاصل کیا گیا۔ واپسی کرنے لگے تو معلوم ہوا کہ جہاز میں ایک سوراخ موجود ہے۔ اسی دوران جہاز کا کپتان بھی بیمار ہو چکا تھا۔ جہاز سفر کرنے کے قابل ہو گیا مگر کپتان کی بیماری کی وجہ سے کچھ مزید عرصے سفر نہ کیا جا سکا۔ کپتان کے صحت مند ہونے کے بعد دوبارہ سفر شروع کیا۔ ہم مڈغاسکر کے جزیرے کے شمال کی جانب سفر کر رہے تھے کہ چانک اچانک طوفانی ہوائیں چلنا شروع ہو گیں۔ بیس دن تک یہی خطرناک صورتحال رہی۔ جب موسم بہتر ہوا تو سب لوگوں نے سکون کا سانس لیا مگر جس جگہ پر جہاز موجود تھا وہاں کے بارے میں جہاز کے کپتان کو بہت زیادہ علم تھا۔ اس لیے اس نے بتادیا کہ ہم ایک شدید طوفان کا سامنا کرنے والے ہیں۔ ہمیں اس کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ اس کی بات درست نکلی کیونکہ دوسرے ہی دن ہم شدید طوفانی ہواؤں کا سامنا کر رہے تھے۔ اتنے شدید طوفان میں جہاز کو سنبھالنا یا چلانا ناممکن تھا اس لیے اسے قدرت کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا۔ ہم سفر شمال مشرق کی جانب کر رہے تھے مگر طوفانی ہواؤں نے ہمیں جنوب مغرب کی سمت پہنچا دیا۔ ہم کہاں پر موجود تھے یہ کوئی بھی نہیں جانتا تھا۔ جہاز بھی صحیح سلامت تھا اور اس میں موجود مزید تمام لوگ بھی۔ خوراک بھی ہمارے پاس وافر مقدار میں موجود تھی مگر جو چیز ہمیں پریشان کر رہی تھی وہ پانی کی کمی تھی۔ ہمیں ڈر تھا کہ اگر جہاز کا رخ موڑتے ہیں تو برفانی علاقے میں نہ پھنس جائیں۔ اس لیے اپنا سفر جاری رکھا۔ سولہہ جون سترہ سو تین کو بہت دور خشکی کا ایک بڑا جزیرہ نظر آیا۔ ہمارا جہاز بہت وزنی اور بڑا تھا اس لیے اسے جزیرے سے دور ہی روک لیا گیا۔ کپتان نے بارہ آدمیوں کو اسلحے کے ساتھ کشتی میں جزیرے پر بھیجا تاکہ وہاں سے پانی لایا جا سکے۔ اس جگہ کو دیکھنے کی خواہش کی وجہ سے میں بھی ان لوگوں کے ساتھ چلا گیا۔ مگر وہاں پر نہ تو تازہ پانی نظر آیا اور نہ ہی کوئی انسان۔ میں دوسرے آدمیوں سے علیحدہ پانی تلاش کر رہا تھا۔ ایک میل اندر جانے کے باوجود صرف پتھریلی زمین ہی نظر آ رہی تھی۔ نہ پانی نہ انسان اور کوئی دلچسپ چیز بھی نظر نہ آئی تو واپسی کا ارادہ کیا۔ سمندر کی طرف نظر ڈالیں تو حیران کن منظر دیکھا کہ میرے ساتھی کشتی پر بیٹھ چکے تھے اور

تیزی سے اسے جہاز کی طرف لے کر جارہے تھے۔ میں بھی تیزی سے ان کی جانب دوڑا اور چیخ چیخ کر انہیں رکنے کا کہا مگر وہ نہ رکے۔ پھر مجھے ایک بہت ہی بڑا انسان کشتی کا پیچھا کرتے ہوئے نظر آیا۔ وہ اتنا بڑا تھا کہ سمندر گہرا ہونے کے باوجود پانی صرف اس کے گھٹنوں تک آرہا تھا۔ پانی کے نیچے نوکیلی چٹانیں تھیں جس کی وجہ سے وہ تیزی سے آگے نہ بڑھ سکا اور کشتی اس کی پہنچ سے دور چلی گئی۔

کی مانند تھا جبکہ ان لوگوں کے لئے بہت چھوٹا۔ میں نے اس پر سفر کرنا شروع کیا۔ دونوں جانب سے مجھے کچھ بھی نظر نہیں آرہا تھا کیونکہ وہاں پر پکی ہوئی فصل موجود تھی جو کہ چالیس فٹ کے قریب بلند تھی۔ پہاڑیوں کی مانند بلند و بالا کھیتوں کے درمیان ایک گھنٹے کے سفر کے بعد میں اس کے کنارے پر پہنچ گیا۔ حفاظت کے لیے ایک سو بیس فٹ اونچی باڑ لگائی گئی تھی۔ درخت اس قدر زیادہ بلند تھے کہ ان کی بلندی کا اندازہ لگانا بھی میرے لیے ممکن نہ تھا۔ ایک کھیت سے دوسرے کھیت میں جانے کے لیے جو زینے تیار کیے گئے تھے ان کی سیڑھی کا ایک قدم بھی چھ فٹ کے برابر تھا جس پر چڑھنا میرے لیے ممکن نہ تھا۔ میں بہت ہی چھوٹا تھا اور حیران پریشان کھڑا تھا کہ اس جگہ سے باہر کیسے نکلوں۔ ایک اور بہت ہی بڑے قد کا آدمی وہاں پر آگیا کسی مینار کی طرح بلند و بالا۔ ایک ایک قدم دس دس گز کا۔ جسے دیکھ کر میں سخت خوفزدہ ہوگیا اور کھیتوں میں اپنے آپ کو چھپالیا۔ اس نے جب کچھ کہا تو آواز اس قدر شدید تھی جس سے مجھے قیامت یاد آگئی اور کان کے پردے بھی پھٹنے کے قریب تھے۔ اسی طرح کی بڑی جسامت کے چند اور لوگ بھی ابھی وہاں پر آگئے جنہوں نے فصل کاٹنے والے ملازموں کے لباس پہن رکھے تھے۔ ہاتھوں میں فصل کاٹنے کے اوزار جن کا سائز بہت ہی بڑا تھا۔ پہلے آدمی نے انہیں کچھ کہا تو وہ کھیت میں فصل کاٹنے کے لئے اس جگہ ہی آگئے جہاں میں نے اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش کی تھی۔ ان لوگوں سے بچنے کے لیے میں نے بھاگنے کی کوشش کی مگر فصل بہت زیادہ نوکیلی ہونے کی وجہ سے بھاگ بھی نہ سکا۔ بارش اور ہوا نے کچھ فصل ایک طرف گرادی تھی تو میں نے وہاں سے بھاگنے کی کوشش کی۔ مگر نوکیلی فصل میرے جسم کو زخمی کررہی تھی۔ فصل

کرنے کے فیصلے پر اپنے آپ کو برا بھلا کہہ رہا تھا کہ پہلے سفر میں جن مشکلات کا سامنا کیا ان کے بعد دوسرا سفر نہیں کرنا چاہیے تھا۔

کاش میں نے اپنے عزیز رشتہ داروں کی بات مان لی ہوتی تو سکون سے اپنے گھر میں موجود ہوتا۔

انہی سوچوں کے دوران لی لی پٹ کے لوگوں کا خیال آیا جن کے لئے میں ایک بلند و بالا پہاڑ کی مانند انسان تھا۔ اتنی بڑی جسامت کا کہ ان کے بہت سارے بحری جہاز اکیلا ہی کھینچ کر لے آیا تھا۔ وہاں پر میں نے ایسے ایسے کام کیے جنہیں عقل ماننے سے انکار کر دے۔ میں نے سوچا کہ اگر لی لی پٹ کا کوئی چھوٹا سا شخص ہمارے درمیان آجائے تو ہم اسے کتنا حقیر سمجھیں گے تو ان لوگوں کے درمیان بھی میری ویسی ہی حیثیت تھی۔ یہ سوچ کر میں نے شرمندگی اور پریشانی محسوس کی۔ میرے ذہن میں یہ خیال بھی آیا کہ انسان جتنا لمبا چوڑا ہو گا اپنے ظلم اور وحشی پن میں بھی اتنا ہی زیادہ ہو گا۔ میں سوچ رہا تھا کہ ان دیو قامت لوگوں میں سے جو مجھے سب سے پہلے پکڑے گا میں اس کی خوراک بن جاؤں گا۔ فلاسفرز کا یہ خیال بالکل درست لگا کہ کسی چیز کو ہم چھوٹا بڑا اس وقت تک نہیں کہہ سکتے جب تک چیزوں کا ایک دوسرے سے موازنہ کریں۔ لی لی پٹ کے لوک بہت چھوٹے تھے۔ مگر شاید خدا نے کوئی ایسی مخلوق بھی بنائی ہو جو ان کے مقابلے میں بھی بہت زیادہ چھوٹی ہو۔ اور جو طویل القامت شخص سامنے موجود تھا شاید اس اسے بھی بہت بڑی جسامت کی کوئی مخلوق دنیا میں موجود ہو۔ خدا کے ایسے کرشمے جابجا دنیا میں موجود ہوں گے۔ لہذا اس میں کوئی حیرانی کی بات نہیں ہے۔ ایسی عجائبات عام نظروں سے اوجھل ہوتی ہیں۔ مگر جب انسان وہاں تک پہنچتا ہے تو پھر ہی وہ چیزیں اسے نظر آتی ہیں۔ بہت پہلے عظیم ترین سیاح بھی یہی خیال کرتے تھے کہ دنیا صرف یورپ ایشیا اور افریقہ پر ہی مشتمل ہے۔ پھر امریکہ دریافت ہوا اور ایک بالکل نئی دنیا ان کے سامنے آگئی۔ ہزاروں کی تعداد میں دوسرے جزیرے بھی دریافت ہوئے۔ اور ایک دنیا وہ بھی دریافت کر لی گئی جو سمندر کے نیچے موجود تھی۔ مگر ابھی بھی بہت سی جگہیں ایسی ہیں جن کا ہمیں علم نہیں۔ اور اگر قسمت اسے وہاں پر پہنچا دے تو اس حیران کن

جگہ کو دیکھ کر وہ سخت پریشانی محسوس کرتا ہے۔ پھر یہ سوچ کر اس کا ذہن اطمینان محسوس کرتا ہے کہ یہ قدرت کا ایک کارنامہ ہے۔ قدرت کا یہ شاہکار تو پہلے بھی موجود تھا مگر اسے دیکھنے والی آنکھ موجود نہ تھی۔

میں پریشانی کی حالت میں بیٹھا تھا کے ایک فصل کاٹنے والا ہاتھ میں فصل کاٹنے کا بہت بڑا اوزار لے کر میرے قریب آگیا۔ میں سخت

دوڑائی کہ یہ چیخ کی آواز کہاں سے آئی ہے۔ اگرچہ میں بہت چھوٹا تھا مگر پھر بھی اس نے مجھے دیکھ لیا۔ مگر اس طرح پریشان ہو کر جس طرح ہم کسی کسی کیڑے کو دیکھ کر احتیاط کرتے ہیں۔ پھر اپنی انگلیوں سے پکڑ کر مجھے اٹھایا اور آنکھوں کے قریب اس طرح کر لیا کہ میرا جائزہ لے سکے کہ میں کیا چیز ہوں۔ اس نے مجھے احتیاط سے پکڑا ہوا تھا جس سے میں تکلیف محسوس کر رہا تھا مگر کسی قسم کی آواز نہ نکالی۔

میں نے بھی اس کی طرف دیکھا۔ اپنے ہاتھ بلند کئے اور بہت تابعداری سے کچھ باتیں اس سے کیں۔ مجھے خوف تھا کہ کہیں وہ مجھے زمین پر پٹخ کر میری زندگی کا خاتمہ نہ کر دے۔ کیونکہ ہم لوگ بھی جب کسی حقیر کو دیکھتے ہیں تو ایسا ہی کرتے ہیں۔ اس لیے لئے ایسے الفاظ کہے جس سے اسے رحم آجائے۔ اگرچہ اسے میری زبان سمجھ تو نہ آئی مگر میری حرکات سے اندازہ لگا لیا کہ میں اسے نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

میرا کسی عقل والی شے کی طرح بولنا اس کے لئے حیران کن تھا۔ میں نے اس کی انگلیوں کی سختی اپنے جسم پر بہت زیادہ محسوس کی اور رونا شروع کر دیا۔ اشاروں سے اسے یہ بات سمجھانے کی کوشش کی۔ وہ میرا مطلب سمجھ گیا۔ مجھے آرام سے اپنے کوٹ کے اندر رکھا اور اپنے مالک کے پاس لے گیا جو کسان تھا۔ وہی بہت لمبا چوڑا آدمی جسے میں نے پہلے بھی دیکھا تھا۔ وہ مجھے دیکھ کر سخت حیران پریشان ہوا اور اپنے ملازموں سے معلوم کیا کہ میری طرح کی چیز کیا پہلے بھی انھوں نے کبھی دیکھی ہے۔

جب مجھے زمین پر رکھا گیا تو میں نے آرام سے اس طرح آگے پیچھے ٹہلنا شروع کر دیا جس سے انہیں اندازہ ہو جائے کہ میں ان کے پاس سے بھاگنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ مجھے درمیان میں رکھ کر وہ میرے چاروں طرف بیٹھ گئے اور جو کچھ میں کر رہا تھا اس سے میرے بارے میں اندازہ لگانے کی کوشش کرنے لگے۔ میری بھی خواہش تھی کہ انہیں یقین دلاوں کے میں سمجھ بوجھ اور شعور رکھتا ہوں۔ اس لیے اپنی ٹوپی اتاری اور جھک کر انہیں باادب طریقے سے سلام کیا۔ اسی طرح چند کلمات ادا کیے۔ میرے پاس چند سونے کے سکے موجود تھے جو میں نے کسان کو بطور تحفہ پیش کیے۔ اس نے وہ لے لیے۔ آنکھوں کے قریب لے جا کر ان کا بھرپور طریقے سے جائزہ لیا۔ مگر شاید اسے سونے کے بارے میں علم ہی نہ تھا۔ اس لئے اس کی اہمیت کا اندازہ نہ کر سکا۔ میرے پاس چند دوسرے سکے بھی موجود تھے جو اسے ایک کر کے پیش کیے۔ مگر وہ ان کے بارے میں بھی نہ جان سکا اور مجھے اشارہ کیا کہ میں یہ واپس اپنے پاس رکھ لوں۔

کسان نے میری حرکات و سکنات کو غور سے دیکھا اور اندازہ لگا لیا کہ میں سمجھ بوجھ رکھتا ہوں۔ اس نے مجھ سے کچھ کہا مگر مجھے اس کے الفاظ سمجھ تو نہ آئے مگر تیز آواز سے میرے کانوں نے سخت پریشانی محسوس کی۔ اگرچہ اس کی بات مجھے سمجھ نہیں آئی تھی مگر میں نے بھی اسے جواب دیا جو وہ بھی نہ سمجھ سکا۔ اپنے ملازم کو اس نے کام پر لگایا اور اپنا رومال نکالا جو کہ مجھے اپنی چادر سے بھی زیادہ موٹا اور بڑا لگا۔ احتیاط سے مجھے اس میں رکھا۔ گھر لے کر گیا۔ اپنی بیوی کو بلایا اور مجھے دکھایا۔ ہماری خواتین جس طرح مکڑی یا مینڈک کو دیکھ کر خوفزدہ ہو جاتی ہیں بالکل اسی طرح وہ عورت مجھے دیکھتے ساتھ ہی چیخ مار کر وہاں سے بھاگ گئی۔ مگر جب اس نے غور سے میری حرکات کا جائزہ لیا تو اسے مجھ پر پیار آ گیا۔ اور یہی وہ عورت تھی جس نے باقی تمام عرصہ میرا بہت زیادہ خیال رکھا۔ دوپہر کا کھانے لایا گیا مگر برتن کو دیکھ کر میں پریشان ہو گیا۔ کیونکہ وہ چوبیس فٹ کے قریب تھا۔ مجھے تو وہ بہت بڑا لگا مگر کسان کی جسامت کے مقابلے پر مناسب تھا۔

کھانے کے بعد کسان کی ماں بیوی اور تین بچے بیٹھے تو مجھے ایک چوکی پر جو تیس فٹ کے قریب بلند تھی پر بٹھا دیا گیا۔ اتنی بلندی کی وجہ سے میں نے بہت خوف محسوس کیا اور اس کے کنارے سے دور ہی رہا۔ کسان کی بیوی مجھ پر مہربان تھی اس لیے گوشت کا ٹکڑا کاٹا اور روٹی کے ساتھ ساتھ مجھے کھانے کے لیے دیا۔ میں نے جھک کر اس کا شکریہ ادا کیا اور اپنے چمچے کانٹے سے اسے کھانا شروع کیا۔ مجھے کھاتا دیکھ کر وہ لوگ بہت خوش ہوئے۔ میرے لیے جس برتن میں پانی پینے کے لئے لایا گیا وہ ان کے لیے تو چھوٹا تھا مگر دو گیلن کے قریب پانی میں نے بڑی مشکل سے سنبھالا۔ بہت اچھے طریقے سے پانی پیا۔ ان کا شکریہ ادا کیا اور بہت زوردار آواز سے تاکہ انہیں آواز پہنچ جائے۔ جس پر وہ تمام لوگ خوش ہو کر ہنسنا شروع ہو گئے۔

کسان کی خواہش تھی کہ مجھے میز پر چلتے ہوئے دیکھے۔ میں اٹھا تو اچانک اس پر گیا۔ جس پر وہ تمام لوگ پریشان ہو گئے۔ انہیں پریشان دیکھ کر میں نے اپنی ٹوپی کو ہوا میں اچھالتے ہوئے اس طرح کے اشارے کیے جس سے وہ سمجھ جائیں کہ میں ٹھیک ہوں اور کوئی تکلیف

نہیں پہنچی۔ جیسے ہی میں نے اپنے مالک کسان کی طرف جانا شروع کیا تو اس کے دس سالہ بیٹے نے مجھے ٹانگ سے پکڑ کر اتنا بلند ہوا میں اٹھالیا کہ میری چیخ نکل گئی۔ مگر اسی وقت کسان نے اپنے بیٹے سے فوری طور پر مجھ سے لے لیا اور اس کے منہ پر ایک زناٹے دار تھپڑ

پچاس فٹ کا فاصلہ تو ضرور ہو گا مگر اس کی آواز سن کر اور تیزی دیکھ کر میری حالت خراب ہو گئی اور میں کانپنا شروع ہو گیا۔ کسان کی بیوی اور میری مالکن کو اس چیز کا اندازہ تھا کہ بلی مجھے نقصان پہنچانے کے علاوہ کھا بھی سکتی ہے۔ اس لیے اسے قابو کیا ہوا تھا۔ مگر بلی نے میری طرف بالکل دھیان نہ دیا جس پر اس کی مالکن نے اسے میرے قریب کھڑا کر دیا۔ میں نے سن رکھا تھا کہ جانور سے جتنا زیادہ خوف ہو گا اتنا ہی وہ دلیر ہوتا ہے۔ اس لئے میں نے اسے محسوس نہیں ہونے دیا کہ میں اس سے خوفزدہ ہوں۔ بلکہ میں جیسے ہی اس کے قریب جاتا تو وہ مجھ سے خوفزدہ ہو کر دور ہو جاتی۔

اس گھر میں کسان کے کتے بھی تھے۔ جن کا قد چار ہاتھیوں کے برابر تھا۔ وہاں پر ایک چھوٹا بچہ ایک سال کا تھا۔ ملازمہ اسے اپنے ساتھ لائی تو اس نے کھلونا سمجھ کر مجھے لینے کی ضد کی۔ ملازمہ نے بیوقوفی کی وجہ سے اور بچے کو خوش کرنے کے لئے مجھے اس کے حوالے کر دیا۔ بچے نے مجھے ہاتھ میں پکڑنے کے بعد اپنے منہ میں ڈالنے کی کوشش کی۔ میں نے جان بچانے کے لئے اتنی زور سے چیخنا چلانا شروع کیا کہ گھبرا کر بچے نے منہ میں ڈالنے کے بجائے اپنے ہاتھ سے مجھے چھوڑ دیا۔ نیچے گرنے کی وجہ سے مجھے بہت سخت چوٹ لگ سکتی تھی۔ مگر ملازم نے مجھے سنبھال لیا۔ بچے کو خوش کرنے کے لیے ایک برتن جس میں کچھ پتھر تھے انہیں بجانا شروع کیا۔ بچے کا اس پر بھی کوئی اثر نہیں ہوا تو اسے دودھ پلانے لگی۔ وہ میرے قریب بیٹھی تھی تو میں نے غور سے اس کا جائزہ لینا شروع کیا۔ جہاں سے میں آیا تھا وہاں کی خواتین کے بارے میں سوچا۔ میرے ذہن نے نتیجہ نکالا کہ چیزیں ہمیں اس لیے حسین نظر آتی ہیں کیونکہ ان کی جسامت ہماری جتنی ہی ہوتی ہے۔ اگر ویسا ہی خوبصورت سفید رنگ جسامت میں بہت بڑا ہو جائے تو وہ نہ صرف چمڑے کی طرح نظر

میں نے اس وقت کو سوچا جب میں لی لی پٹ میں موجود تھا تو وہاں کے بہت چھوٹے لوگ مجھے بہت ہی خوبصورت نظر آتے تھے۔ وہاں پر میرے ایک دوست نے ایک دن مجھے بتایا کہ جب وہ مجھے دور سے دیکھتا ہے تو میں بہت خوبصورت نظر آتا ہوں۔ مگر جب مجھے قریب سے دیکھتا ہے تو اس کے برعکس ہوتا ہے۔ میں نے اپنے اس دوست کو اٹھا کر اپنے منہ کے بہت قریب کر دیا تو وہ سخت پریشان ہو گیا۔ کہنے لگا کہ میرے چہرے کے سوراخ اسے نظر آ رہے ہیں اور میرا منہ اسے برا لگ رہا ہے۔ اگرچہ یہاں میں آپ کو بتاتا چلوں کہ میں اتنا ہی خوبصورت ہوں جتنا میری طرح کا کوئی دوسرا شخص ہو سکتا ہے۔ اگرچہ بہت زیادہ سفر سے مجھ میں کچھ تبدیلی ضرور آ گئی تھی۔ یہی بات مجھے لی لی پٹ کے شہنشاہ نے بھی بتائی تھی کہ وہاں پر موجود عورتوں کے چہرے کے خدوخال بھی مختلف ہوتے ہیں اور ان کا رنگ بھی۔ جبکہ مجھے وہ تمام ایک طرح کی ہی نظر آتی تھیں۔ میرے یہ سب کچھ بتانے کا مقصد یہ ہے کہ مجھے وہ بہت بڑی جسامت کے لوگ عجیب و غریب لگ رہے تھے اگرچہ وہ بدصورت نہیں تھے۔ فرق پیدا ہوتا ہے مختلف انداز سے اور نظروں سے دیکھنے پر۔ اگر میں بات کروں اپنے مالک کے منہ کے بارے میں تو جب میں نے اسے ساٹھ فٹ کی دوری سے دیکھا تو مجھے اچھا اور خوبصورت نظر آ رہا تھا۔

ایک دن کام پر جاتے ہوئے میرے مالک نے اپنی بیوی سے میرا خیال رکھنے کو کہا۔ میرے سونے کی خواہش دیکھی تو اس نے اپنے بستر پر ہی مجھے لٹا دیا اور جو رومال میرے اوپر ڈالا وہ ایک بہت بڑے بحری جہاز کے بادبان کے برابر تھا۔ مجھے کچھ ایسا خواب نظر آیا کہ میں اپنے بیوی بچوں کے پاس موجود ہوں اور وہ میری پریشانیوں کو دیکھ کر پریشان ہیں۔ لیکن جیسے ہی آنکھ کھولی تو اپنے آپ کو ایک بہت ہی بلند و بالا بستر پر موجود پایا جو دو تین سو فٹ تو چوڑا ہوگا اور جس کی بلندی بھی دو سو فٹ کے قریب تھی۔ میری مالکن باہر جاتے ہوئے باہر سے تالا لگا گئی تھی۔ میں حیران پریشان بیٹھا تھا کہ اتنی بلندی سے نیچے کس طرح اتر سکتا ہوں۔

اسی دوران مجھے کچھ آوازیں سنائی دیں۔ دیکھا تو دو چوہے سونگھتے ہوئے میری طرف آرہے تھے۔ ان کی جسامت بہت ہی بڑی تھی۔ ایک چوہا میرے بہت قریب آگیا اور مجھ پر حملہ آور ہوا۔ میں نے دیکھا کہ یہ مجھے مار ہی ڈالیں گے تو اپنی تلوار نکال لی اور اس کے پیٹ کو چیر ڈالا۔ زخم گہرا تھا اور وہ میرے قریب مرا پڑا تھا۔ اس کا ساتھی چوہا خوفزدہ ہو کر وہاں سے بھاگ گیا۔ مگر بھاگتے بھاگتے بھی میں نے اس پر ایک تلوار کا ایسا زخم لگایا جس سے بہت زیادہ خون نکلنے لگا۔ چوہوں کے اس حملے نے مجھے بہت سخت پریشان کر دیا تھا۔ اس لیے اپنے آپ کو مطمئن کرنے کے لئے میں نے بستر پر ٹہلنا شروع کر دیا۔

ان چوہوں کی جسامت بہت بڑے کتوں جتنی تھی اور خوفناک چیرنے پھاڑنے والے تھے۔ اگر میں ہمت نہ دکھاتا تو مجھے مار کر کھا چکے ہوتے۔ خود بھی بڑے تھے اور اسی مناسبت سے ان کی دم بھی بہت لمبی تھی۔ چوہا بستر پر مرا ہوا پڑا تھا جس سے خون بستر پر بہہ رہا تھا۔

ہو گئی تو بہت خوش ہوئی اور ملازم سے کہا کہ چوہے کو باہر پھینک دیا جائے۔ جب اس نے مجھے میز پر بٹھایا تو میں نے اسے وہ تلوار دکھائی جس سے میں نے چوہے کو مارا تھا۔ اسے صاف کیا اور واپس اپنی میان میں رکھ لی۔ وہ میرے اشاروں کو سمجھ گئی کہ مجھے نیچے زمین پر اتارا جائے۔ پھر میری خواہش پر ہی مجھے باغ میں لے کر گئی۔ جہاں میں نے چہل قدمی کر کے اپنے آپ کو خوش کرنے کی کوشش کی۔
جو تفصیلات میں بیان کر رہا ہوں وہ شاید عام پڑھنے والے کے لیے بھی اہمیت رکھتی ہوں لیکن ایک اچھے دماغ کا انسان جب انہیں پڑھے گا تو اس کے خیالات خصوصی ہوں گے۔ اور بہترین نتائج نکالنے کی کوشش کرے گا۔ جو کچھ میں نے دیکھا اسے نہ تو بڑھا چڑھا کر بیان کیا اور نہ ہی خوبصورت الفاظ کا سہارا لیا کہ پڑھنے والوں کی کشش اس میں پیدا ہو۔ جو واقعات میرے ساتھ گزرے وہ میرے

فہرست سے نکال دیا جائے جو اپنے سفر کو تحریر میں لاتے ہوئے بہت زیادہ صفحات پر پھیلا دیتے ہیں۔ ایک ایک چیز کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ اگرچہ درست بات تو یہی لگتی ہے کہ ایسا ہی کیا جائے۔

وہ پیاری بچی جو میرا بہت خیال رکھتی تھی یعنی میرے مالک کی بیٹی اس کی عمر ابھی نو سال کی تھی مگر کپڑے وغیرہ سینے میں بہت ماہر ہو چکی تھی۔ بچوں کے کپڑے بنانے میں اسے خصوصی مہارت حاصل تھی۔ اس لیے اس نے تجویز پیش کی کہ مجھے بچوں کے کمرے میں رہائش اختیار کرنے کی اجازت دی جائے تاکہ وہ میرا مکمل دھیان رکھ سکے اور مجھے کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ ہو۔ وہاں پر میں چوہوں کے حملے سے بھی بچا رہوں گا۔

جتنے دن میں نے وہاں پر گزارے بچی کے کمرے میں ہی سویا۔ میں نے کوشش کی کہ ان کی زبان سیکھ جاؤں تاکہ اپنی خواہشات کا اظہار کر سکوں کہ مجھے کس چیز کی ضرورت ہے۔ یہ بچی تھی تو چھوٹی مگر نہایت عقلمند۔ میں نے ایک دفعہ اس کے سامنے اپنے کپڑے تبدیل کیے تو وہ فوری طور پر سب کچھ سیکھ گئی۔ مگر میں نے زیادہ کوشش کی کہ اپنے کام خود کروں اور اسے کم سے کم تکلیف دوں۔ اسے میرا بہت زیادہ خیال تھا۔ جو سب سے بہترین کپڑے اسے مل سکے اس سے میرے پہننے کے لئے بہت سے کپڑے تیار کر دیئے۔ اور ان کپڑوں کو میرے لئے اپنے ہاتھوں سے ہی دھوتی۔ اس نے نازک ترین کپڑوں سے میرے لئے جو قمیض تیار کی وہ مجھے ٹاٹ کی طرح موٹی لگتی۔

اس نے مجھے اپنی زبان بھی سکھانی شروع کی۔ میں چیزوں کی طرف اشارہ کرتا تو وہ مجھے ان کا نام بتا دیتی۔ اس لیے بہت جلد میرے لیے ممکن ہو گیا کہ جس چیز کی خواہش ہو ان کی زبان میں اس کا نام لے لوں۔ وہ بہت اچھی بچی تھی۔ اگرچہ کم عمر ہونے کی وجہ سے اس کا قد صرف چالیس فٹ کا تھا۔ اس نے مجھے گرل ٹرک کا نام دیا اور اسی نام سے میری ہر جگہ مشہوری ہو گئی۔ میں نے بھی اسے گل مت نقش

کا نام دیا۔ یعنی خیال کرنے والی چھوٹی بچی۔ جب تک میں وہاں پر رہا اسی کے ساتھ رہا اور اس نے میری بہت زیادہ حفاظت بھی کی اور دیکھ بھال بھی۔ جتنا اس نے میرا خیال رکھا اگر اس کا ذکر نہ کروں تو یہ سخت ناانصافی ہو گی۔

دور دور تک لوگوں کو اس بات کا علم ہو چکا تھا کہ ایک عجیب و غریب جانور میرے مالک کو کھیت سے ملا ہے۔ جس کی شکل و صورت تو اگرچہ انسانوں کی طرح کی ہے مگر اس کا قد بہت چھوٹا ہے۔ اپنی ہی زبان میں انسانوں کی طرح باتیں کرنا بھی جانتا ہے اور ہمارے اس ملک کے بھی کچھ الفاظ سیکھ چکا ہے۔ وہ چلتا بھی دو ٹانگوں پر ہے اور شریف بھی ہے جو حکم بھی اسے دیا جاتا ہے اسے پورا کرتا ہے۔ جسم مناسب ہے اور چہرہ خوبصورت۔

میرے مالک کا ایک دوست کسان جو قریب ہی رہتا تھا اس نے یہ باتیں سنیں تو مجھے دیکھنے کے لئے آ گیا۔ مجھے میز پر بٹھایا گیا تو میں نے مالک کے حکم کے مطابق کام کیے۔ اپنی تلوار نکالی اور دوبارہ میان میں رکھی۔ مجھے مالک کی بیٹی نے سکھا دیا تھا کہ لوگوں سے خیریت کس

سے اس طرح نظر آ رہی تھیں جس طرح دو کھڑکیوں سے چمکتے ہوئے دو چاند۔ جنہیں دیکھ کر میں ہنسنے لگا۔ گھر والوں کو جب میں نے بتایا تو وہ بھی ہنسنے لگے۔ مگر اس آدمی نے کچھ محسوس نہ ہونے دیا۔ وہ انسان بھی اچھا نہیں تھا اور لالچی بھی تھا۔ اس نے میرے مالک کو مشورہ دیا کہ میرے ذریعے کمائی کرنی چاہیے۔ مجھے بڑے شہروں میں لے جانا چاہئے جہاں پر میری نمائش کی جائے اور پیسا کمایا جائے۔ قریبی شہر جو بیس بائیس میل کی دوری پر تھا وہاں پر مجھے لے جا کر نمائش کا فیصلہ کیا گیا۔

وہ دونوں جب آپس میں آہستہ آواز میں باتیں کر رہے تھے تو میں خطرے کو محسوس کر چکا تھا۔ دوسرے دن چھوٹی بچی نے مجھے اس بارے میں سب کچھ بتا دیا۔ وہ دراصل میرے لئے فکر مند تھی کہ اگر لوگ میرے قریب آئیں گے تو مجھے ہاتھوں میں پکڑ کر دبا بھی سکتے ہیں اور میری ہڈی وغیرہ بھی ٹوٹ سکتی ہے۔ اسے علم ہو چکا تھا کہ میں بہت اچھا اور شریف انسان ہوں۔ اسی لیے مجھ سے محبت بھی کرنے لگی تھی اور اب میرے بارے میں پریشان ہو کر وہ رو رہی تھی۔ اس نے تو دراصل اپنے باپ سے فرمائش کی تھی کہ مجھے

فکر مند ہوا لیکن ذہن میں خیال آیا کہ ایک نا ایک دن تو وہاں سے آزادی حاصل کر ہی لوں گا۔ اور اگر مجھے لوگ بطور نمائش میں کھلونا سمجھ کر دیکھیں گے تو اس کی بھی اتنی فکر نہیں کیونکہ میں تو ایک اجنبی علاقے میں ہوں اور ان لوگوں سے بہت مختلف ہوں۔ جب میں انگلینڈ میں واپس چلا جاؤں گا تو پھر کوئی ایسا نہیں سوچے گا۔ اس جگہ پر تو انگلینڈ کا وہ بادشاہ جس کی وہاں پر بہت ہی زیادہ عزت ہے اگر وہ بھی یہاں پر آجائے تو اسے بھی کھلونے کی طرح ہی سمجھا جائے گا۔

میرے مالک نے کنجوس اور لالچی انسان کا مشورہ مان لیا۔ مجھے ایک صندوق میں رکھ کر شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ میری چھوٹی خیال کرنے والی بچی بھی میرے ساتھ تھی۔ صندوق چاروں طرف سے بند تھا۔ ایک دروازہ اس میں میرے اندر باہر آنے جانے کے لیے بنا دیا گیا تھا اور صندوق میں سوراخ بھی کر دیے گئے تھے تا کہ ہوا اس کے اندر آسکے۔

پیاری بچی نے ایک چھوٹا سا بستر ہ بھی اس کے اندر لگا دیا تھا کہ میں آرام سے سو سکوں۔ جو سفر ہم نے کیا وہ صرف آدھے گھنٹے کا تھا۔ لیکن جس گھوڑے پر میں سوار تھا وہ بہت ہی بڑا تھا اور ایک قدم بھی اس کا چالیس فٹ کے برابر تھا۔ مجھے لگتا جیسے میں سمندر میں موجود ہوں۔ طوفان آیا ہوا ہے اور کشتی ادھر ادھر ہوتے ہوئے تباہ ہونے کے قریب ہے۔ اسی بے آرامی کی وجہ سے میں نے اپنے آپ کو بیمار محسوس کیا۔ ایک ہوٹل میں میرا مالک مجھے لے کر گیا اور تمام شہر میں یہ اعلان کروایا گیا کہ چھ فٹ کا ایسا جانور اس کے پاس موجود ہے جو انہوں نے پہلے نہیں دیکھا ہو گا۔ اس کی شکل وصورت تو انسان کی طرح ہے اور کچھ الفاظ بھی اسے آتے ہیں اور بہت سے عجیب وغریب کھیل بھی کھل سکتا ہے۔

ایک میز جو سو فٹ لمبائی اور چوڑائی میں تھی اس پر مجھے رکھا گیا اور میری خیال کرنے والی چھوٹی بچی میرے قریب ہی کرسی پر بیٹھ گئی۔ مجھے دیکھنے کے لئے بہت ہی زیادہ لوگ وہاں پر آنے لگے لیکن اجازت صرف تیس آدمیوں کو اندر آنے کی دی جاتی۔ لڑکی مجھے جو کچھ کہتی میں وہ کرتا۔ میز پر چلتا۔ جو کچھ وہ پوچھتی تھی بہت زور کی آواز کے ساتھ ان کا جواب بھی دے دیتا تا کہ لوگوں کو میری آواز سنائی

دے جائے۔ کئی مرتبہ لوگ آئے ہر دفعہ میں نے انہیں سلام کیا۔ ان کے آنے کا شکریہ ادا کیا اور جو کچھ کہا جایا وہ کچھ کر کے دکھا دیا۔ اپنی تلوار بھی نکالتا اور تماشا دکھانے کے انداز میں اسے لہراتا جس طرح ہمارے علاقے میں بھی کیا جاتا ہے۔ یہ کھیل تماشہ مجھے بارہ مرتبہ کرنا پڑا اور ہر دفعہ تمام کھیل اور کرتب بھی دکھانے پڑے۔ جس سے میں بہت ہی زیادہ تھک گیا بلکہ مرنے کے قریب ہو گیا۔ جیسے جیسے میں مشہور ہوتا گیا ویسے ویسے زیادہ سے زیادہ لوگ وہاں پر آنے لگے۔ اور بعض اوقات تو ہجوم اتنا بے قابو ہو جاتا کہ دروازہ ٹوٹنے کے قریب ہوتا۔ میرا مالک اس چیز کا خاص خیال کرتا کہ کوئی شخص مجھے ہاتھ نہ لگا سکے۔ اس لئے لوگوں کو مجھ سے دور رکھا جاتا۔ لیکن ایک دفعہ ایک بچے نے ایک چیز اس طرح مجھ پر ماری جو اگرچہ میرے قریب سے گزر گئی مجھے نہیں لگی لیکن اگر مجھے لگ جاتی تو میرے سر کے ٹکڑے ہو جاتے تھے۔ بعد میں اس لڑکے کی خوب مرمت کر کے اسے باہر نکال دیا گیا۔ جب میرا مالک مجھے واپس لے کر جانے لگا تو اس نے دوبارہ اعلان کروا دیا کہ اگلے میلے میں یہ جانور پھر نمائش کے لیے پیش کیا جائے گا۔ سفر کے لئے میرے لئے ایک بہت شاندار گاڑی تیار کروائی گئی تاکہ میں سکون سے سفر کر سکوں۔ کیونکہ میرا مالک دیکھ چکا تھا کہ میری حالت تھکن کی وجہ سے بے حد خراب ہو چکی ہے۔ اتنی خراب کے تین دن تک میں بستر سے نہ اٹھ سکا۔

ایک اور پریشانی کا سامنا میں کر رہا تھا۔ میرے مشہور ہونے کی وجہ سے گھر میں بھی بہت زیادہ لوگ مجھے دیکھنے کے لئے آ رہے تھے۔ مجھے گھر میں بھی دکھایا جاتا۔ تیس آدمی ایک ساتھ مجھے دیکھتے۔ میرا مالک مجھ سے خوب کمائی کرتا۔ اگر اکیلا بھی کسی کو دکھاتا تھا تو اس سے پورے پیسے وصول کیے جاتے۔ ہاں ایک دن جو سکون کا مجھے ملتا وہ بدھ کا دن تھا۔ کیونکہ ان کے لئے اس دن کام کرنا مذہبی طور پر منع تھا اور عبادت کا دن تھا۔

میرا مالک مجھ سے کمائی کے نئے نئے طریقے سوچتا۔ پھر اس نے ارادہ کیا کہ بڑے شہر میں بھی مجھے لے کر جائے گا۔ جانے سے پہلے اپنے گھر والوں کے لیے مکمل انتظام کیا اور اگست سترہ سو تین میں اس ملک کے دارالحکومت کی طرف سفر شروع کیا۔ جو ہمارے علاقے سے ایک ہزار میل دور تھا اور بالکل درمیان میں واقع تھا۔ چھوٹی بچی بھی میرے ساتھ تھی اور میں اس کی گود میں موجود تھا۔ جس ڈبے میں مجھے رکھا گیا تھا وہ نرم و ملائم کپڑوں سے طرح تیار کیا گیا تھا اور میرے لیے ضروریات زندگی کی تمام چیزیں بھی موجود تھیں۔ سامان کی حفاظت کے لیے اس مرتبہ ایک لڑکا بھی ہمارے ساتھ تھا۔

میرے مالک کو ایک نیا خیال آیا کہ راستے میں اگر کوئی شہری آبادی آئے گی تو اس میں بھی میری نمائش کر دی جائے گی اور پچاس سو میل دور سڑک پر بھی کوئی آبادی مجھے دیکھنے کی خواہش کرے گی کی تو وہاں پر بھی مجھے پیش کر دیا جائے گا۔ روزانہ کا ہمارا سفر ڈیڑھ سو میل کے قریب ہوتا۔ پیاری چھوٹی لڑکی کو میرا خیال تھا اس لئے وہ کہتی کے گھوڑے کے چلنے سے اسے بے آرامی ہو رہی ہے۔ دراصل وہ مجھے آرام دینا چاہتی تھی۔ صندوق سے باہر نکال کر تازہ ہوا کے لئے مجھے ہاتھ میں پکڑ لیتی۔ مگر بہت خیال رکھتی کہ کہیں میں گر ہی نہ پڑوں۔ بہت بڑے دریا کو ہم نے اپنے سفر کے درمیان عبور کیا۔ جو اتنے بڑے تھے کہ دریائے نیل یا گنگا بھی اس کے سامنے بہت چھوٹا دکھائی دیتا۔ اور تو اور وہاں کی نہریں بھی ہمارے دریائے ٹیمز کا مقابلہ کر رہی تھیں۔

ہمارا سفر طویل ہو گیا اور دس ہفتے کے بعد ہم اپنی منزل مقصود پر پہنچے۔ مگر اس کے دوران جہاں میری نمائش کی گئی ان کی تعداد اٹھارہ شہروں اور بے شمار گاؤں پر مشتمل تھی۔

ہم دارلحکومت پہنچے۔ میرے مالک نے شاہی محل کے قریب ہی ایک مکان کرائے پر لے لیا۔ ایک کمرہ بھی کرائے پر لیا گیا جو تین چار سو فٹ چوڑا تھا۔ میرے بارے میں اعلان کروا دیا گیا جس میں تفصیل سے وہ تمام باتیں لکھی گئی تھیں جو لوگوں کو متوجہ کر سکتی تھیں۔ ساٹھ فٹ چوڑی میز پر میں نے پہلے دن ہی دس مرتبہ لوگوں کو تماشے دکھائے۔ لوگ مجھے دیکھتے تو سخت حیران ہو جاتے۔ اس تمام عرصے میں مجھے انکی زبان بھی آچکی تھی اور ہر بات سمجھ جاتا۔ میرے پڑھنے لکھنے کی تمام تر محنت میری چھوٹی خیال کرنے والی بچی کو جاتی تھی۔ ایک کتاب بھی وہ ساتھ لائی تھی جس سے مجھے پڑھاتی۔ وہ بچی واقعی تعریف کے قابل تھی۔

اس کسان نے مجھ سے اتنی زیادہ محنت کروائی کہ میری صحت بالکل جواب دے گئی۔ جتنا زیادہ میرا مالک مجھ سے محنت کروا کر کمائی کرتا اتنی ہی زیادہ اس کی لالچ میں اضافہ ہوتا جاتا۔ میں بہت ہی زیادہ کمزور ہو چکا تھا۔ مالک نے بھی اس چیز کا اندازہ لگا لیا۔ وہ ارادہ کر ہی رہا تھا کہ میرا علاج کروائے اسی دوران محل سے ایک آدمی آیا اور اس نے کہا کہ ملکہ میرے مالک سے ملاقات کی خواہش مند ہیں۔ دراصل محل سے کچھ اہم لوگ مجھے دیکھنے آئے تھے اور واپس جا کر ملکہ سے میرے بارے میں بات کی اور اسے شوق پیدا ہوا کہ مجھے دیکھیں۔ حکم کے مطابق میرا مالک مجھے ملکہ کے پاس لے گیا۔

میں نے ملکہ سے بہت تمیز سے بات کی اور کہا کہ میں ان کے ہاتھ پر پیار کرنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے ہاتھ دے دیا اور میں نے پیار کرنے کے بعد انہیں دعائیں دیں۔ نیک تمناؤں کا اظہار کیا۔ ملکہ نے مجھ سے سوال کیا کہ کیا میں محل میں رہنا پسند کروں گا۔ میں نے جواب دیا کہ میرا اصل مالک اس بارے میں فیصلہ کر سکتا ہے۔ میں تو اس کا غلام ہوں۔ ہاں اگر میں اپنی مرضی کا خود مالک ہوتا تو مجھے فخر ہوتا کہ میں ملکہ کے پاس محل میں رہ رہا ہوں۔

میرا مالک تو پہلے ہی سوچ رہا تھا کہ میں بہت کمزور ہو چکا ہوں اور شاید مر جاؤں اس لیے وہ فوری طور پر مجھے ملکہ کو بیچنے کے لئے تیار ہو گیا اور ایک ہزار سونے کے سکے لے کر مجھے ملکہ کے حوالے کر دیا۔ چھوٹی لڑکی کو بھی ملکہ نے اپنے پاس ملازم رکھنے کی خواہش ظاہر کی تو مالک نے یہ بات مان لی۔ جب میرا مالک وہاں سے جانے لگا تو میرا رویہ اس کے ساتھ بہت سرد تھا۔ یہ بات ملکہ نے صاف طور پر محسوس کر لی اور مجھ سے اس بارے میں پوچھا۔ میں نے ادب سے کہا کہ میرے مالک کا میرے ساتھ رویہ بہت برا تھا۔ ہاں کھیت سے اگر اسے ایک جانور مل گیا اور اسے مارا نہیں تو یہ اس کا میرے اوپر احسان ہے۔ اس نے میری صحت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے مسلسل مجھ سے کام کروایا۔ میری صحت اتنی خراب ہو گئی کہ مرنے کے قریب پہنچ گیا اور اسی لیے اس نے مجھے آپ کے پاس بیچ دیا۔ اگر اسے اس چیز کا یقین نہ ہوتا کہ میں جلد ہی مر جاؤں گا تو میری قیمت اور زیادہ لگاتا۔ مگر میں ملکہ عالیہ آپ جیسی اچھی خاتون کے پاس آ گیا ہوں۔ یہاں مجھ پر ظلم نہیں کیا جائے گا اور اب مجھے امید ہے کہ جلد تندرست ہو جاؤں گا اور زندہ رہوں گا۔ میں نے اس کے بعد ایک تقریر کی۔ اگرچہ مکمل زبان نہ آنے کی وجہ سے اس میں غلطیاں بھی تھیں۔ ملکہ اچھی عادت کی تھی اس نے میری غلطیوں کو نظر

بادشاہ اپنے دربار سے اسی وقت واپس آیا تھا۔ مجھے ملکہ نے ہاتھ میں اٹھایا اور بادشاہ کو دکھانے کے لئے چلی گئی۔ بادشاہ کی عادت بہت سنجیدہ تھی اس نے ملکہ کے ہاتھ میں جب ایک چھوٹا سا جانور دیکھا تو مذاق کے انداز میں پوچھا۔ اچھا تو آپ کو اس چھوٹی سی مخلوق پر پیار آ گیا ہے۔ ملکہ جس کو پہلے ہی علم ہو چکا تھا کہ میں ذہن رکھتا ہوں اس نے مجھے اپنے پاؤں پر کھڑا کیا اور کہا کہ میں بادشاہ سلامت کو اپنے بارے میں بتاؤں۔ میں نے بادشاہ کو اپنے بارے میں بتایا۔ بادشاہ فلاسفر اور ریاضی دان بھی تھا۔ پہلے تو وہ سمجھا تھا کہ مجھے یہ سب کچھ کہنے کو کہا گیا ہے اور میں عقل و دانش نہیں رکھتا۔ اس نے میری تمام باتیں سن تو لیں مگر ان پر یقین کرنے سے انکار کر دیا اور خیال کیا کہ اچھی قیمت لینے کے لئے مجھے کسان نے یہ سب باتیں کہنے کے لئے کہا ہے۔ پھر اپنے ملک کے تین بہت ہی عالم فاضل لوگوں کو طلب کیا۔ انہوں نے اپنی اپنی رائے میرے بارے میں ظاہر کی۔ ایک بات پر سب ہی متفق نظر آئے وہ یہ تھی کہ میری پیدائش ہر گز ہر گز قدرتی نہ تھی۔ اپنی حفاظت کی خاطر نہ تو میں درختوں پر چڑھ سکتا ہوں اور نہ زمین میں سوراخ کر سکتا ہوں۔ انہوں نے میرے دانتوں کو دیکھا اور اندازہ لگایا کہ میں گوشت خور ہوں مگر دوسرے جانوروں سے بہت زیادہ حقیر اور کمتر۔ حتیٰ کہ وہاں کے چوہے اور چھوٹے سے چھوٹے جانور بھی مجھ سے زیادہ شعور رکھنے والے تھے جو اپنی چیزوں کا خود انتظام کر سکتے تھے۔ اپنے گھر بھی خود تیار کر سکتے تھے۔

دوسرے عالم فاضل شخص نے کہا کہ میری پیدائش کم تر ہوئی ہے۔ مگر دوسرے عالم نے اس کا یہ خیال ماننے سے انکار کیا۔ کیونکہ

سے چھوٹے قد کے لوگ یعنی بونے بھی جسامت میں مجھ سے بہت بڑے تھے۔ اس لئے مجھے انہوں نے بونا تسلیم کرنے سے بھی انکار کر دیا۔ اس محل میں بھی ایک بہت چھوٹے قد کا بونا تھا۔ مگر اس کا قد بھی تیس فٹ تھا۔ آخر میں طویل بحث و مباحثہ کے بعد انہوں نے مجھے عجیب الخلقت قرار دے دیا۔

اس کے بعد ان عقلمند لوگوں نے مجھ سے کہا کہ میں اپنے بارے میں کچھ بتاؤں۔ میں نے بادشاہ سلامت سے کہا کہ میں جہاں سے آیا ہوں وہاں پر ہر چیز میرے ہی قد کے برابر ہے۔ اسی مناسبت سے ہے۔ میں نے تو اپنے طور پر عالم فاضل لوگوں کو خوش کرنے کی کوشش کی تھی۔ مگر انہوں نے میری بات سن کر ناراضگی کا اظہار کیا۔

بادشاہ نہایت عقلمند تھا اس لیے اس نے عالم فاضل اور عقلمند لوگوں کو تو خدا حافظ کہا اور دوبارہ کسان کو بلوالیا۔ خوش قسمتی تھی کہ ابھی وہ وہاں پر ہی موجود تھا۔ بادشاہ نے اکیلے میں اس سے بہت سی باتیں کیں اور پھر کسان اور اس کی بیٹی سے میرے سامنے بھی اس بارے میں پوچھا۔ دونوں نے یہ بات صاف صاف کہی کہ انہوں نے مجھے اپنی طرف سے کوئی بات کہنے کے لئے نہیں کہا۔ اور جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہی سچائی ہے۔ جس پر بادشاہ نے اپنی ملکہ کو کہا کہ میرا خاص دھیان رکھا جائے۔ چھوٹی لڑکی نے میری دیکھ بھال کرنی تھی تو اس کے لیے بھی کمرہ تیار کر دیا گیا اور اسے بھی ایک ملازمہ ملی۔ ملکہ کے خاص حکم پر میرے رہنے کے لیے ایک خاص ڈبہ تیار کیا گیا جہاں پر میں سکون سے سو سکتا تھا۔ اس میں کھڑکیاں بھی بنائی گئیں اور دروازہ بھی۔ سولہ فٹ چوڑا اور بارہ فٹ اونچائی اس کمرے کی تھی۔ چھوٹے سائز کی دو کرسیاں اور میزیں بھی اس کے اندر رکھی گئیں۔ ایک چھوٹا تالہ میں اس کمرے میں اپنی حفاظت کے لیے لگاتا تاکہ کوئی دوسرا دروازہ نہ کھلا چھوڑ دے اور چوہے وغیرہ میرے لئے خطرے کا باعث نہ بنیں۔ ملکہ نے خصوصی طور پر میرے لیے ریشم کے کپڑے تیار کروائے۔ مگر مجھے وہ کمبل سے بھی زیادہ موٹے محسوس ہوئے۔ ان کے ڈیزائن ایران اور چین کے کپڑوں کی

طرح خوبصورت تھے اور کچھ عرصے بعد میں ان کا عادی ہو گیا۔ میرے لئے آرام و سکون کی ہر قسم کی آسائش وہاں پر مہیا کی گئی۔ مجھے اس چیز کے علاوہ کوئی پریشانی نہیں تھی کہ میں اپنے بیوی بچوں سے دور ہوں۔

ملکہ کو میں بہت زیادہ پسند آیا اور اس کی خواہش ہوتی کہ میں ہر وقت اس کے پاس موجود رہوں۔ حتی کے جب وہ کھانا کھاتی تو اس وقت بھی میری کرسی اس کی میز کے قریب موجود ہوتی۔ اگرچہ اس کے دو شہزادوں کے علاوہ کسی کو اس کی اجازت نہیں تھی۔ میری چھوٹی خیال کرنے والی بچی بھی قریب ہی بیٹھتی۔ میرا اس قدر خیال رکھا گیا تھا کہ میرے برتن سونے کے تھے۔ مگر ملکہ کے بہت بڑے برتنوں کے سامنے وہ کھلونے نظر آتے۔ جب کھانا ختم ہو جاتا تو انہیں ایک چھوٹے سے ڈبے میں بند کر کے میری خیال رکھنے والی پیاری بچی اپنی جیب میں رکھ لیتی اور جب مجھے ضرورت ہوتی تو صاف ستھرے برتن میرے حوالے کر دیتی۔ ملکہ گوشت کا چھوٹا سا ٹکڑا کاٹتی اور میرے چھوٹے سے برتن میں رکھتی۔ جب میں چمچے اور کانٹے سے کھاتا تو یہ منظر دیکھ کر اسے بہت خوشی ہوتی۔ ملکہ وہاں

اٹھا سکتے تھے۔ یہ سب کچھ دیکھ کر مجھے بے حد حیرانی ہوتی اور محسوس کرتا ہے کہ اگر ان کے حساب سے دیکھوں تو میں بہت ہی تھوڑا کھاتا تھا۔ وہ ہڈیاں جن کو منہ میں رکھنے کا تصور میں نہیں کر سکتا تھا ملکہ بہت آسانی سے انہیں دانتوں سے چبا لیتی۔ اس وقت میں نے وہ وقت یاد کیا جب للی پٹ کے لوگ مجھے کھاتا دیکھ کر حیرانی کا اظہار کرتے تھے۔ ان کے تو چھری کانٹوں کی جسامت بھی ہمارے خنجروں کے برابر تھی۔ ایک دفعہ میں نے کھانے کی خالی میز پر وہ خطرناک چھری کانٹے دیکھے تو محسوس کیا کہ اس سے خوفناک منظر میں دوبارہ نہیں دیکھ سکوں گا۔

اس علاقے کے رسم و رواج کے مطابق عبادت کے دن بادشاہ کے خاندان کے تمام لوگ اس کے ساتھ کھانا کھاتے تھے تو میری کرسی وہاں پر نہ رکھی جاتی۔

وہاں کا بادشاہ بھی مجھ سے محبت کرنے لگا تھا اور مجھ سے میرے علاقے، یورپ کے بارے میں، وہاں کے قانون، مذہب، حکومت، تعلیم کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرتا۔ میرے بس میں جہاں تک ممکن تھا اسے اس بارے میں بتاتا۔ وہ میری باتیں سنتا اور ان پر سوچ وبچار کرتا۔ مگر جب میں نے اسے اپنے ملک کی تعلیم و تربیت، وہاں کے جنگی سازوسامان اور ملک میں موجود فرقوں کے بارے میں بتایا اور ان کی تعریف بھی کی تو اسے اچھا نہ لگا۔ میرے منہ پر ہلکا سا ایسے اپنا ہاتھ رکھا جیسے تھپڑ مارا ہو اور پوچھا کے میں کس سے تعلق رکھتا ہوں۔ وہگ سے یا میں ٹوری ہوں۔ یہ پوچھتے ہوئے اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ اس وقت اس کا وزیر اعظم قریب ہی کھڑا تھا۔ اسے کہنے لگا کہ ایسے لوگوں کو ہم گھٹیا ہی کہہ سکتے ہیں۔ ان کے شہر اور ملکوں کی حالت بھی ایسی ہی ہو گی۔

اظہار نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ میری حیثیت اس طرح کی نہ تھی۔ میں خاموشی سے ان کی ہنسی اور حقارت کو برداشت کرتا رہا۔ مگر جلد ہی میں ان لوگوں سے اور ان کے ماحول سے عادی ہو گیا اور انہیں امیر انگریزوں کی طرح کا سمجھنے لگا۔ اب میں بھی ان کے ساتھ ہنسنے لگتا اور اس وقت تو بہت ہی زیادہ ہنستا جب ملکہ آئینے کے سامنے بیٹھ کر اپنے آپ کو دیکھ رہی ہوتی۔ کیونکہ اس کے سامنے میں بہت ہی زیادہ چھوٹا تھا۔ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میں اپنے اصل قد سے بھی زیادہ چھوٹا ہو چکا ہوں۔

باقی لوگوں کی باتوں کو تو میں برداشت کر لیتا تھا مگر وہاں موجود بونے کی باتوں پر مجھے بہت سخت غصہ چڑھتا۔ ایک طرف تو وہ بہت سخت شرارتی تھا دوسرے جب ایک دوسرے چھوٹے قد کی مخلوق کو اس نے بہت زیادہ عزت ملتے دیکھی تو مجھ سے بہت زیادہ حسد کرنے لگا۔ جب بھی میرے قریب سے گزرتا تو ایسے الفاظ کہتا جن سے میں بے عزتی محسوس کرتا۔ میں بھی اسے کوئی سخت جواب دیتا تو وہ بہت زیادہ ناراض ہو جاتا۔ ایک دفعہ تو اس کا غصہ اس قدر زیادہ بڑھ گیا کہ ملکہ کی موجودگی میں ہی کھانے کے بعد مجھے اس نے اٹھایا اور دودھ سے بھرے ہوئے برتن میں ڈال دیا۔ میں دودھ میں تیر رہا تھا اور اگر تیراکی نہ آتی تو میں اس میں ڈوب کر ختم ہو چکا ہوتا۔ جبکہ

اس واقعے کے بعد ملکہ نے اسے ناپسند کرنا شروع کر دیا اور بالآخر اپنی ایک امیر سہیلی کو وہ تحفے میں دے دیا۔ پھر وہ دوبارہ محل میں کبھی نظر نہ آیا۔ یہ میرے لئے بہت اچھا ہوا کیونکہ وہ نہ صرف سخت کرنے والا تھا بلکہ مجھے یقین تھا کہ وہ مجھ سے اس چیز کا سخت بدلہ لے گا۔ اس سے پہلے بھی وہ مجھے تنگ کرتا رہتا تھا اور ایک دفعہ ایسا ہوا جسے دیکھ کر ملکہ پہلے تو غصے میں آگئی اور پھر ہنسنا شروع ہو گی۔ یہ میں ہی تھا جس نے اس وقت اس کی سفارش کی کہ اسے کوئی سزا نہ دی جائے۔ وہ بات اس طرح کی تھی کہ کھانے کے بعد ملکہ نے ایک ہڈی سے مغز نکال کر کھایا۔ بونے نے اس ہڈی میں میری دونوں ٹانگیں گاڑ دیں۔ جس سے میری حالت واقعی بہت خراب ہو گئی۔ مگر جلد ہی ملکہ کو اس چیز کا پتہ چل گیا اور اس سے پہلے کہ اسے سخت سزا دی جاتی میری اپنی سفارش سے اس کی جان بچ گئی اور بہت ہی کم سزا دی گئی۔

جب ملکہ مجھے خوفزدہ ہوتے ہوئے دیکھتی تو کہتی کہ کیا تمہارے علاقے کے تمام لوگ ہی اس طرح کی بزدلی دکھاتے ہیں۔ جن میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ وہاں کی مکھیاں بھی بہت بڑی جسامت کی تھیں۔ جب میں کھانے کی میز پر موجود ہوتا تو وہ میرے کان میں شدید آواز کے ساتھ بھنبھناتیں اور میرے کھانے کا مزہ خراب کر دیتیں۔ اگرچہ مکھیوں کی یہ آواز وہاں پر بڑی جسامت کے لوگوں کو بالکل بھی محسوس نہ ہوتی۔ ہاں اس وقت بونے کو موقع مل جاتا مجھے تنگ کرنے کا۔ وہ ہاتھ میں مکھیاں ایسے ہی پکڑ لیتا جیسے ہمارے بچے مذاق میں پکڑتے ہیں اور جب وہ میری ناک کے پاس مکھیاں چھوڑتا تو میں سخت خوفزدہ ہو جاتا۔ مگر ملکہ اسے مذاق سمجھ کر ہنسنا شروع کر دیتی۔ بعض اوقات تو میں تیزی سے مکھیوں پر چاقو کا وار کر کے انہیں مار ڈالتا۔ جس پر ملکہ اتنی تیزی سے انہیں مارتے ہوئے دیکھ کر حیران رہ جاتی۔

میری خیال کرنے والی پیاری بچی نے ایک دن صبح کے وقت مجھے تازہ ہوا کے لئے کمرے کی کھڑکی پر بٹھادیا تاکہ میں وہاں پر بیٹھ کر سکون سے کھانا کھاؤں۔ اچانک بیس شہد کی مکھیاں وہاں پر آ گئیں۔ ان کی تیز آواز مجھے آرہی تھی۔ کچھ میری روٹی کو ساتھ لے گئیں اور کچھ میرے اوپر منڈلانے لگیں۔ میں نے سوچا کہ یہ مجھے کاٹ ہی نہ لیں اور سخت خوفزدہ ہو گیا۔ میں نے تلوار نکال کر ان پر بھی حملہ شروع کیا اور چار شہد کی مکھیوں کو مار ڈالا۔ باقی وہاں سے فرار ہو گئیں۔ ان کی جسامت ہمارے تیتر کے برابر تھی اور ان کے ڈنک سوئی کی طرح کے ڈیڑھ انچ چ لمبے تھے۔ میں نے انہیں اپنے پاس نشانی کے طور پر محفوظ رکھا اور جب واپس اپنے ملک گیا تو دوسری حیران کر دینے والی چیزوں کے ساتھ یہ بھی مختلف جگہوں پر دکھایا۔ ایک کالج کو بھی یہ تحفے میں دیں اور اپنے پاس بھی ایک رکھی۔

اس ملک میں نے دو ہزار میل کے قریب سفر تو کیا ہو گا تو یہاں بتاتا ہوں کہ وہ ملک کیسا تھا۔ بادشاہ جب بھی اس ملک کی سرحدوں کو دیکھنے کے لئے جاتا تو ملکہ بھی اس کے ساتھ جاتی۔ اور یہ تو ممکن ہی نہ تھا کہ وہ مجھے ساتھ لے کر نہ جائے۔ یہ ملک چھ ہزار میل لمبائی میں اور تین سے پانچ ہزار میل تک چوڑائی میں پھیلا ہوا تھا۔ یہی وہ بات تھی جس سے میرے ذہن میں خیال آتا ہے کہ ہمارے یورپ کے جو جغرافیہ دان ہیں ان سے کوئی بڑی غلطی ہوئی ہے۔ جنہوں نے کہا ہے کہ جاپان اور کیلیفورنیا میں صرف سمندر رہی ہے۔ جب کہ میں پہلے بھی یہ بات سمجھتا کہ Tartary کے سمندر میں خشکی ضرور ہو گی۔ اب وقت آ گیا ہے کہ وہ اپنے نقشے صحیح کر لیں اور اس زمین امریکہ کے شمال مغربی حصے کو بھی شامل کر لیا جائے اور ان کے اس کام میں بھی ان کا مددگار ہو نگا۔

جزیرے کی طرح اس ملک کے تین طرف سمندر پھیلا ہوا ہے۔ شمال مشرق میں پہاڑ موجود ہیں جن کی اونچائی تیس میل کے قریب ہے۔ جہاں آتش فشاں پہاڑوں کی چوٹیاں ہی۔ں جن کی وجہ سے وہاں سے گزرنا ممکن بھی نہیں۔ اس لیے یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ وہاں پر آبادی موجود ہے یا نہیں۔ یہاں کسی بندرگاہ کا وجود نہیں اور جہاں پر دریا کا منہ ہے وہاں پر ایسی خطرناک چٹانیں ہیں جن پر چھوٹی سی کشتی کا بھی گزر ممکن نہیں۔ اس لیے یہ لوگ کسی دوسری جگہ آ جا نہیں سکتے اور اسی لیے تجارت بھی ممکن نہیں۔ یہاں جو بڑے دریا ہیں ان میں بہت سے جہاز نظر آتے ہیں اور مچھلیاں بھی بہت زیادہ ہوتی ہیں۔ یہاں پر انہیں مچھلیوں کو استعمال کیا جاتا ہے اور سمندر سے انہیں پکڑا جاتا ہے۔ مچھلیوں کی جسامت ہماری مچھلیوں جتنی ہی ہوتی ہے۔ جب کہ وہاں کے درخت اور جانور بہت ہی بڑے جسامت کے ہیں۔ ایسا کیوں ہے یہ تو کوئی فلاسفر ہی بتا سکتا ہے۔ وہیل مچھلیاں سمندروں میں نظر آتی ہیں۔ انہیں پکڑ کار شوق سے کھایا جاتا ہے۔ یہ مچھلیاں جسامت میں اس قدر بڑی ہوتی ہیں ایک انسان مشکل سے ہی اٹھا پاتا ہے۔ دارالحکومت میں یہ ایک عجیب و غریب شے کے طور پر لائی جاتی ہے۔ ایک مرتبہ بادشاہ کے محل کے کھانے کی میز پر میں نے یہ دیکھیں تو پتہ چلا کہ عجوبے کے طور پر وہاں پر رکھی ہوئی ہے۔ بادشاہ نے اسے بالکل نہیں کھایا۔ صرف دیکھنے کے لئے وہ موجود تھی۔

یہ ملک اکاون شہروں پر مشتمل ہے۔ اس میں ایک سو قصبے ہیں جن کے گرد فصیل موجود ہیں۔ آبادی بہت زیادہ ہے اور گاؤں تو بہت ہی زیادہ ہیں۔ آپ لوگ شاید جاننا چاہیں اس لیے میں اس کے دارالحکومت کے بارے میں بتاتا ہوں۔ یہاں دریا کے دونوں طرف

کے برابر اسکی لمبائی ہے جو ہمارے چون میل کے glomglungs موجود گھروں کی تعداد اسی ہزار اور چھ لاکھ لوگ رہتے ہیں۔ تین برابر ہیں اور چوڑائی اس سے آدھی ہو گئی۔ میں نے یہ سب باتیں اس نقشے سے معلوم کیں جو بادشاہ نے بنوایا تھا اور ایک سو فٹ لمبا تھا۔

ہیں۔ میں ملکہ کے ساتھ بھی سفر کرتا مگر اپنے ڈبے میں موجود رہتا۔ جبکہ میری پیاری خیال کرنے والی بچی مجھے اس میں سے باہر نکال کر شہر کا نظارہ کرواتی۔ ویسٹ منسٹر ہال کے برابر ہماری گاڑی تھی۔ ہاں اونچائی اس سے کم تھی۔ ایک دن ملکہ کے حکم پر دکانوں کے قریب گاڑی کھڑی کی گئی تو بھکاری وہاں جمع ہو کر مجھے دیکھنے لگے۔ میں نے وہ کریہ اور بھیانک منظر اس وقت دیکھے جو ناقابل بیان ہیں ایک عورت کے سینے پر مجھے کینسر کی وجہ سے بہت زیادہ سوجن نظر آئی جہاں اتنے بڑے سوراخ تھے جن میں میں پورا سما سکتا تھا۔ دوسرے کے گلے میں گوشت بڑھا ہوا تھا یعنی بہت بڑی جسامت کی گلٹی تھی۔ ایک شخص لکڑی کی ٹانگ کے ساتھ تھا۔ یہ سب کچھ مجھے خوف زدہ کرنے کے لیے کافی تھا اور مجھے جو چیز سب سے حیران کن لگی وہ یہ تھی کہ ان کے کپڑوں پر جوئیں بھی چل رہی تھیں۔ یہ سب کچھ دیکھ کر میرا دل بہت خراب ہو چکا تھا اور الٹی آنے کو تھی۔

کیونکہ میں جس ڈبے میں رہتا تھا وہ کافی بڑا تھا اس لئے ملکہ نے خاص طور پر بارہ فٹ کا ایک چھوٹا ڈبا میرے لیے بنوایا جو میری پیاری خیال کرنے والی بچی اپنے ہاتھ میں اٹھا سکتی تھی۔ اس میں دروازے بھی تھے اور کھڑکیاں بھی اور پھر کھڑکیوں میں سوئی کی سلاخیں بھی لگا دی گئی تھیں تا کہ سفر کے دوران میں حادثے سے محفوظ رہوں اور دور دراز کا سفر آسانی سے طے ہو سکے جو کہ ملکہ اور بادشاہ اکثر کرتے تھے۔ میں وہاں کے باغوں کی سیر بھی کرتا اور اعلیٰ حیثیت کے لوگوں کے پاس بھی جانے کا اتفاق ہوتا جنہوں نے مجھے اس علاقے کے بارے میں بہت سی اہم معلومات دیں۔ میں وہاں کے ملک اور لوگوں کو دیکھتا اور وہ مجھے دیکھ کر حیران ہوتے۔

مجھے یہ بہت زیادہ خواہش تھی کہ وہاں کے سمندر کو اور اس پل کو دیکھوں جو وہاں کا سب سے بڑا شمار کیا جاتا تھا۔ میری اس خواہش کو دیکھتے ہوئے میری خیال کرنے والی بچی ایک دن مجھے وہاں لے گئی۔ جسے دیکھ کر میں مایوس ہوا کیونکہ وہ تین ہزار فٹ بلند ہے۔ اگرچہ

وہاں رہنے والوں کے لیے یہ بلندی زیادہ نہیں ہے۔ دیواریں سوفٹ موٹی ہیں۔ جن پر شہنشاہ اور دیوتاؤں کی تصویریں مجسمے بنائے گئے ہیں۔ جس کی ایک ٹوٹی ہوئی انگلی میری پیاری خیال کرنے والی بچی کو نظر آئی تو اس نے اپنی جیب میں رکھ لی کیونکہ اسے بہت شوق ہے ایسی چیزوں کا۔ یہ بہت قیمتی پتھر سے بنایا گیا ہے۔

بادشاہ کا باورچی خانہ بھی شاندار ہے اور ہر وقت کھانے پینے کا سامان موجود رہتا ہے۔ اگر میں اس کی تفصیل میں جاؤں تو بہت وقت درکار ہو گا اور آپ لوگ اس پر یقین بھی نہیں کریں۔ اس لیے صرف انہیں چیزوں کا ذکر میں نے کیا ہے جن کا یقین آپ کو آجائے۔ میں اگر یہ کتاب اسی ملک کی زبان میں لکھوں اور اس ملک کے بادشاہ کو بطور تحفہ پیش کروں تو اس کی ناراضگی درست ہو گی جب وہ کہے گا کہ تم نے بہت سی باتیں چھوڑ دی ہیں اور ملک کا مکمل طور پر حال بیان نہیں کیا۔ محل کا وہ اصطبل جہاں گھوڑے رکھے گئے ہیں بہت بڑا ہے۔ جہاں چھ سو گھوڑے موجود ہیں۔ جن کا قد بھی چون سے ساٹھ فٹ کے قریب ہوتا ہے۔ وہاں کے بادشاہ سلامت جب باہر جاتے ہیں تو پانچ سو افراد جو مکمل ہتھیاروں کے ساتھ ہوتے ہیں ان کے ساتھ چل رہے ہوتے ہیں۔ یہ بہت ہی شاندار منظر ہوتا ہے۔ میں نے وہاں پر بہت اچھی اور خوشگوار زندگی گزاری۔

ہاں یہ ضرور ہوا کہ میرے چھوٹے قد کی وجہ سے مجھے کئی حادثات کا سامنا کرنا پڑا۔ ایسے ہی کچھ حادثات میں آپ کو بیان کرتا ہوں۔ میرے لیے ایک چھوٹا ڈبا تیار کیا گیا تھا۔ اس میں پیاری بچی مجھے بٹھاتی اور باغ میں لے جاتی۔ بعض اوقات اس ڈبے سے مجھے باہر نکال کر باغ میں رکھ دیتی تاکہ میں باغ کی سیر کر سکوں۔ ایک دن اسی طرح جب میں باغ میں موجود تھا اور میری خیال کرنے والی چھوٹی بچی میرے پاس موجود نہ تھی تو بونے کو موقع مل گیا اور جس درخت کے نیچے میں بیٹھا تھا اسے زوردار طریقے سے ہلانا شروع کر دیا۔ کیونکہ سیب میری جسامت کے لحاظ سے بہت ہی بڑے تھے اس لئے میرے لئے بہت خطرناک ثابت ہو سکتے تھے۔ میں نے زمین پر لیٹ کر اپنی جان بچائی اور کسی حادثے سے بچ گیا۔ اس نے دراصل یہ اس بات کا بدلہ لینے کے لئے کیا تھا جو کہ میں نے اسے کہی تھی۔ سیب کے کچھ درخت بہت بڑی جسامت کے تھے اور کچھ چھوٹے تھے تو میں نے بونے کو کہا کہ وہ تو سیب کے چھوٹے درختوں کی مانند ہے۔ یہ بات اسے بہت بری لگی اور جیسے ہی اسے موقع ملا اس نے مجھ سے بدلہ لے لیا۔ کیونکہ میں زخمی نہیں ہوا تھا اس لئے میں نے بونے کی سفارش کی اور اسے سزا سے بچایا۔

میرے چھوٹے قد نے ایک دفعہ اور مجھے اس وقت پریشانی میں مبتلا کر دیا جب طوفان اور بارش کے درمیان اولے پڑنے شروع ہوئے۔ میں زمین پر لیٹ گیا اور اولوں سے بچنے کی کوشش کرتا رہا۔ یہ میرے لیے بہت پریشان کن صورتحال تھی۔ میں رینگتے ہوئے ایک جھاڑی کے نیچے پہنچا اور اپنے آپ کو اس آفت سے بچایا۔ یہ بات میرے لئے اس قدر خطرناک تھی کہ دس دن تک ذہنی پریشانی کی وجہ سے گھر سے باہر نہ جا سکا۔ یہ اولے ہمارے اولوں کی نسبت بہت ہی بڑے سائز کے بھی تھے اور بہت زیادہ وزنی بھی۔

اسی طرح ایک دفعہ باغ میں اکیلا موجود تھا۔ میری خیال کرنے والی پیاری بچی نے سوچا کہ اس وقت مجھے کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔ مگر باغ میں جو سفید رنگ کا بہت بڑا کتا حفاظت کی خاطر رکھا گیا تھا اسے میری بو آگئی اور سونگھتا ہوا وہ مجھ تک پہنچ گیا۔ مجھے اس نے منہ

میں پکڑ لیا اور اٹھا کر اپنے مالک کے پاس لے گیا اور اس کے پاس جا کر رکھ دیا۔ مگر یہ اس قدر پالتو اور سدھایا ہوا تھا کہ مجھے کسی قسم کا نقصان نہ پہنچا۔ باغ کی حفاظت کرنے والے نے جب مجھے دیکھا تو سخت پریشان ہو گیا اور بار بار میری خیریت پوچھنے لگا۔ میں اسے اپنی خیریت کے بارے میں کیا بتاتا کیونکہ اس قدر خوفزدہ تھا جب زبان ہی بند ہو چکی تھی اور کوئی لفظ نہیں نکل رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اپنے حواسوں میں آیا تو دیکھا کہ میری خیال کرنے والی پیاری بچی مجھے ڈھونڈتی ہوئی وہاں پر آگئی ہے اور مجھے اس حال میں دیکھ کر بہت ہی زیادہ پریشان ہے۔ کتے کے مالک کو بہت زیادہ سنایا مگر محل میں اس بات کا کسی سے ذکر نہ کیا کیونکہ کہیں ملکہ یہ بات سن کر ناراض ہی نہ ہو جائیں اور بچی کو بھی سزا نہ دیں کے مجھے اکیلا کیوں چھوڑا۔ میں بھی یہی چاہتا تھا کہ ایسی باتوں کا تذکرہ کسی سے نہ کیا جائے۔ جتنی زیادہ اس قسم کی باتیں مشہور ہوں گی اتنا ہی مجھے کمتر اور چھوٹا سمجھا جائے گا اور بدنامی ہو گی۔

اس واقعے کے بعد میری پیاری خیال کرنے والی بچی کبھی بھی مجھے اکیلا نہ چھوڑتی اور اگر میں کسی پریشانی کا سامنا کرتا بھی تو اس سے تذکرہ نہ کرتا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ مجھے اکیلا بالکل ہی نہ چھوڑا کرے۔

ایک مرتبہ ایک چیل نے مجھے دیکھا تو مجھ پر حملہ کر دیا۔ مگر میں نے فوری طور پر خطرے کو بھانپ لیا اور اپنی تلوار نکال کر اس پر جوابی حملہ کیا جس سے میری جان بچ گئی۔ ورنہ اتنی بڑی چیل کے سامنے میری کیا حیثیت تھی اور میں اس کی خوراک بن چکا ہوتا۔ دیگر بہت سے ایسے ہی واقعات مجھے وہاں پر پیش آئے مگر مناسب نہیں سمجھتا کہ ان کا تذکرہ کروں۔

میرا قد چھوٹا تھا اور وہاں کے پرندے بہت بڑے سائز کے اس لئے مجھ سے بالکل بھی خوفزدہ نہ ہوتے اور میرے قریب آ کر خوراک کی تلاش جاری رکھتے۔ دراصل وہ مجھے انسان خیال کرتے ہی نہ تھے اور ایک دفعہ تو ایک پرندہ میرے ہاتھ سے روٹی چھین کر لے گیا۔ میں نے جب انہیں پکڑنے کی کوشش کی تو دور بھاگنے کے بجائے بہادری کے ساتھ انھوں نے مجھ پر جوابی حملہ کر دیا اور اپنی چونچیں مجھے مارنے لگے۔ مجھے دور کر کے دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔

ہاں ایک دفعہ ایسا ہوا کہ میں نے ایک پرندے کو زور سے پتھر مارا جس سے وہ زمین پر گر گیا۔ میں نے اسے اٹھایا اور بڑی مشکل سے اپنی پیاری بچی کے پاس لے کر جانے لگا۔ راستے میں اس کے حرکت کرنے کی وجہ سے میرے ہاتھ زخمی ہونے لگے تھے۔ میں نے اسے چھوڑنے کا ارادہ کر لیا مگر ایک ملازم وہاں آ گیا جو مجھ سے یہ پرندہ لے کر گھر پہنچا جسے ملکہ نے میرے کھانے کے لئے تیار کروایا۔

امیر اور اعلی خاندان کی خواتین کو مجھے دیکھنے کی خواہش ہوتی تو میری خیال کرنے والی بچی کو اپنے پاس منگوا لیتیں جو مجھے لے کر ان کے پاس چلی جاتی۔ وہ مجھ سے پیار کرتی تھیں اس لئے مجھے گود میں بٹھا لیتیں جبکہ مجھے یہ بات بہت بری لگتی۔ ایک وجہ تو یہ تھی کہ وہ خوشبو کا بہت زیادہ استعمال کرتی ہیں جس کا انہیں احساس نہیں ہوتا مگر میرے لیے یہ ناقابل برداشت ہوتی تھی۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ وہ مجھے انسان خیال نہ کرتیں اور کپڑے وغیرہ میرے سامنے تبدیل کرتیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک میں تو ایک حیوان تھا اس لئے مجھ سے شرم بھی نہیں کرتی تھیں۔ ان کا جسم مجھے خوبصورت نہیں لگتا تھا بلکہ بہت موٹا اور برے رنگ کا معلوم ہوتا۔ البتہ ایک لڑکی جو کم عمر سولہ برس کی تھیں وہ ان میں واقعی خوبصورت تھی۔

میری خیال کرنے والی ملازمہ کا رشتہ دار نوجوان ایک دن ہمارے پاس آیا اور اس نے دعوت دی کہ ہمیں قتل گاہ میں جا کر ایک آدمی کو قتل ہوتا ہوا دیکھنا چاہیے۔ عدالت کے حکم پر سزا کے طور پر ایسا کیا جاتا تھا۔ میرا خیال کرنے والی بہت نرم طبیعت کی تھی اور ایسا کچھ نہیں دیکھنا چاہتی تھی مگر وہاں پر نہ چاہتے ہوئے بھی جانا پڑا اور مجھے بھی ساتھ لے گئی۔ میں بھی ایسی چیزیں دیکھنا پسند نہیں کرتا تھا لیکن یہ ایک عجیب وغریب بات تھی اس لیے شوق پیدا ہوا اور میں بھی وہاں پر چلا گیا۔ جلاد کی تلوار چالیس فٹ لمبی تھی اور ایک دفعہ میں ہی اس نے گردن اڑا دی جس سے فوارے کی طرح بہت زیادہ خون ہوا میں بلند ہوا۔

ملکہ کو شوق تھا کہ نئے نئے حالات سنیں اور میں اسے اپنے سفروں کی کہانیاں سناتا جسے وہ بہت شوق سے سنتی۔ وہ چاہتی تھی کہ میرا ہنر دیکھیں مگر وہاں کے جہاز اور کشتیاں بہت ہی بڑی تھی۔ ملکہ کے حکم پر میرے لیے ایک چھوٹی سی کشتی تیار کی گئی جسے دیکھ کر وہ اتنی

ہوتی۔ کبھی کبھار اس میں لگے ہوئے بادبان سے اس طرح کشتی چلاتا کہ وہاں کی خواتین پنکھے سے مجھے ہوا دیتیں جس سے کشتی خود بخود چلنے لگتی۔ خواتین کے تھک جانے کے بعد ملازم یہ کام کرتے اور سبھی لوگ اسے دیکھ کر بہت خوشی محسوس کرتے۔ اس تالاب کے نیچے ایک سوراخ کیا گیا تھا۔ کھیل ختم ہونے کے بعد وہاں سے پانی نکال دیا جاتا اور خیال کرنے والی بچی مجھے اپنے ساتھ لے جاتی اور کشتی کو دیوار پر لٹکا دیا جاتا۔

اسی کھیل تماشے کے دوران ایک مرتبہ اس طرح کا حادثہ ہوا جس سے میری جان جا سکتی تھی۔ ایک عورت مجھے پانی کے حوض میں رکھنے لگی تو میں چالیس فٹ کی بلندی سے اس کے ہاتھ سے گر گیا۔ اگر زمین پر گرتا تو ختم ہو چکا ہوتا مگر اس کے کپڑوں میں لگے ہوئے ایک بٹن میں پھنس کر لٹک گیا۔ میری پیاری خیال کرنے والی بچی دوڑ کر میرے پاس آئی اور مجھے اس مصیبت سے نجات دلائی۔

ایک اور خوفناک مصیبت اس وقت پیش آئی جب ملازموں کی غفلت کی وجہ سے اس ٹب میں ایک مینڈک چلا گیا اور وہاں چھپ کر بیٹھ گیا۔ میں نے کشتی چلانا شروع کی تو وہ بھی چھلانگ مار کر کشتی میں آ گیا۔ میں نے کشتی کی دوسری جانب تمام بوجھ کو ڈال کر اسے

ڈوبنے سے بچایا۔ میرے کپڑے اور چہرہ پانی سے خراب ہو گئے اور دوسرے نہ صرف یہ مینڈک بہت بڑا تھا بلکہ بہت بدصورت بھی تھا۔ میرا خیال کرنے والی بچی دوڑ کر میرے پاس آئی اور مینڈک کی خوب مرمت کی جسے وہ وہاں سے بھاگ گیا۔

اب میں اس چیز کے بارے میں بتاتا ہوں جو وہاں پر رہتے ہوئے سب سے زیادہ میرے لئے خوفناک ثابت ہوئی۔ وہاں کے کھانا پکانے

کمرے میں بند کر دیا۔ گرمی سے بچنے کے لئے ایک کھڑکی کھلی رکھی۔ میں اپنی میز کے پاس بیٹھا ہوا اپنی حالت پر افسوس کر رہا تھا کہ مجھے کھڑکی کے پاس سے کسی چیز کے حرکت کرنے کی آواز آئی۔ میں نے دیکھا تو ایک بندر میرے رہائشی ڈبے کے قریب شرارتیں کر رہا تھا۔ میں اس سے چھپنے کی کوشش کرتا رہا۔ مگر اس شرارتی نے مجھے دیکھ لیا۔ کھڑکی سے ہاتھ ڈالا اور مجھے اپنی انگلیوں سے پکڑ کر کھڑکی سے باہر لے گیا۔ مجھے اس طرح پیار سے سینے سے لگا لیا جیسے میں اس کا بچہ ہوں اور جس طرح بچوں کو پیار سے دودھ پلایا جاتا ہے۔ میں نے آزاد ہونے کی جدوجہد کی تو اس نے بہت ہی مضبوطی سے مجھے دبوچ لیا۔ دراصل وہ مجھے اپنا بچہ سمجھ رہا تھا اور میں بھی سمجھ رہا تھا کہ وہ مجھے پیار کر رہا ہے مگر میں سخت مشکل میں تھا۔ بندر مجھے اپنے ہاتھوں میں اٹھائے ادھر ادھر گھوم رہا تھا اور پھر گھر کی چھت پر چلا گیا۔ میری خیال کرنے والی بچی نے جب مجھے بندر کے ہاتھ میں دیکھا تو چیخنے چلانے لگی۔ ہر طرف شور مچ گیا۔ فوری طور پر ملازموں نے سیڑھی لگائی اور چھت پر چڑھنا شروع کیا۔ بندر نے ان لوگوں کو آتے ہوئے دیکھا تو ایک کونے میں بیٹھ گیا اور جو روٹی میرے ڈبے سے ساتھ لے آیا تھا وہ مجھے کھلانے لگا۔ جب میں کھانے سے منع کرتا تو وہ مجھے مارنے لگتا۔ یہ عجیب تماشہ تھا جسے دیکھنے کے لئے بہت زیادہ لوگ جمع ہو چکے تھے۔ ان کے لیے یہ کھیل تماشہ تھا۔ ہنس رہے تھے قہقہے لگا رہے تھے اور لطف اندوز ہو رہے تھے جب کہ میری جان پر بنی ہوئی تھی۔ کچھ لوگوں نے بندر پر پتھر وغیرہ برسانے شروع کیے تو فوری طور پر انہیں منع کیا گیا تا کہ بندر مجھے نقصان نہ پہنچا دے۔ لوگ سیڑھی کی مدد سے چھت پر پہنچ چکے تھے۔ بندر کے لیے اب بھاگنے کا کوئی راستہ نہ تھا اس لیے اس نے مجھے چھوڑ دیا اور اپنی جان بچا کر بھاگ گیا۔ میں ابھی بھی ایک کونے میں خوفزدہ ہو کر بیٹھا تھا کہ کہیں تیز ہوا مجھے اڑا کر ہی نہ لے جائے۔

ایک لڑکا میرے پاس آیا اس نے مجھے اپنی جیب میں رکھا اور سیڑھی کی مدد سے واپس نیچے چلا گیا۔ کوئی بدبودار چیز جو بندر نے مجھے کھانے پر مجبور کی تھی میرے حلق میں پھنس چکی تھی۔ میری پیاری خیال کرنے والی بچی نے الٹی کروا کر اسے میرے حلق سے نکالا۔ اس بندر کو غصے کی وجہ سے ختم کر دیا گیا اور آئندہ ممانعت ہو گئی کہ وہاں پر کوئی جانور نہ رکھا جائے۔

اس صدمے کی وجہ سے پندرہ دن تک میں بیمار بستر پر لیٹا رہا۔ اگرچہ بادشاہ ملکہ اور دیگر لوگ میری تیمارداری کو آتے رہے۔ صحت مند

سوچیں تھیں۔ پھر مجھ سے پوچھا کہ میرے اپنے علاقے میں اگر بندر مجھ پر اس طرح حملہ کرتا تو میرا کیا ردعمل ہوتا۔ میں نے اسے جواب دیا کہ جہاں میں رہتا ہوں وہاں پر بندر ہوتے ہی نہیں۔ دوسرے علاقوں سے لائے جاتے ہیں اور بہت ہی چھوٹے ہوتے ہیں۔ اور میں کئی بندروں کا اکیلے مقابلہ کر سکتا تھا جبکہ یہاں کا بندر تو بہت بڑا ہاتھی کے برابر تھا۔ اگر اس بندر پر میں تلوار نکال کر حملہ کرتا تو وہ مجھے جلدی میں زخمی بھی کر سکتا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ بادشاہ اور دوسرے لوگ مجھے بزدل خیال نہ کریں مگر میری بات سن کر سب لوگ لوگ ہنسنے لگے۔ میں سمجھتا تھا کہ یہاں پر سب لوگ بہت بڑی جسامت کے ہیں اور ان کے لیے میں حقیر سی چیز ہوں۔ جتنی مرضی کوشش کر لوں اپنی عزت کروانے میں اور عزت بچانے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔

اگرچہ میرے لیے یہ بہت مشکل اور جان لیوا بات تھی مگر وہاں رہنے والے لوگوں کے لیے یہ ایک دلچسپی کی چیز تھی۔ اس لیے انھیں خوش کرنے کے لئے میرے ساتھ جو حادثات ہوتے وہ انہیں سناتا تھا تاکہ وہ ہنسیں قہقہے لگائیں اور خوش ہو جائیں۔ بلکہ میری پیاری خیال کرنے والی بچی بھی جب کوئی اس طرح کی چیزیں دیکھتی تو فوری طور پر ملکہ کو بتاتی تاکہ دلچسپ باتوں کو سن کر ملکہ خوش ہوں اور ایسا ہی ہوتا تھا۔ تمام محل میں قہقہے گونجنے لگتے۔ وقت گزرتا رہا اور میں اسی طرح اپنی زندگی وہاں پر گزارتا رہا۔

ہفتے میں دو دفعہ میں بادشاہ سلامت کے دربار میں جاتا۔ دوسری چیزوں کے علاوہ بادشاہ سلامت حجامت کرواتے ہوئے بھی نظر آتے۔ یہ کام مجھے بہت خطرناک لگتا کیونکہ حجام کا استرا ہماری بڑی تلوار سے بھی دوگنا بڑا تھا۔ ہفتے میں دو دن حجامت کروانا وہاں کا دستور تھا اور اسی لیے بادشاہ بھی ہفتے میں دو دفعہ حجامت کرواتا۔ میں نے بادشاہ کے سر کے کچھ بال حاصل کر لئے۔ ایک شاندار لکڑی میں چھوٹے چھوٹے سوراخ کرنے کے بعد یہ بال اس میں لگا کر اپنے لیے ایک کنگھی تیار کر لی جس کی بہت ضرورت تھی۔ کیونکہ میری اپنی خراب ہو چکی تھی۔

میں نے وہاں پر چند دن ایک خاص کام کیا اور وہ یہ تھا کہ ملکہ کے کنگھی کرتے ہوئے جو بال وہاں رہ جاتے تھے انہیں حاصل کر تا رہا اور کچھ ہی دنوں میں بہت سارے بال میرے پاس جمع ہو گئے۔ دو چوکیاں تیار کروائیں اور بیٹھنے کی جگہ میں ان بالوں سے بنائی کر دی۔

خراب حرکت کرنے سے بہتر ہے کہ میں اپنی جان دے دوں۔ پھر ملکہ کے بالوں سے ہی میں نے ایک تھیلی بھی تیار کی جو پانچ فٹ لمبی تھی اور اس پر سنہری حروف میں ملکہ عالیہ کا نام بھی تحریر کیا۔ ملکہ نے اپنی مرضی سے یہ تھیلی میرا خیال رکھنے والی کو دے دی جس میں وہ اپنے چھوٹے سکے رکھتی۔

وہاں کا بادشاہ رقص و سرور کا دلدادہ تھا اور محل میں محفلیں بھی منعقد کی جاتیں۔ وہاں پر موسیقی بجتی مگر اس کی آواز اتنی تیز ہوتی کہ مجھے مختلف سازوں کے درمیان فرق کا علم نہ ہو پاتا۔ میں اپنے ڈبے میں اپنے آپ کو بند کر لیتا دروازہ بھی بند کر لیتا اور تھوڑی سی کھڑکی کھلی ہوتی جس میں سے جب آواز آتی تو کچھ بہتر معلوم ہوتی۔ میں جب اپنے لوگوں کے درمیان تھا تو وہاں پر بچپن میں موسیقی کا ایک باجا بجاتا تھا اور اسے سکھانے کے لیے ہفتے میں دو دن استاد بھی آتا تھا۔ اس لئے میں نے سوچا کہ بادشاہ اور ملکہ کو اپنے علاقے کی موسیقی کی دھنیں بجا کر سناؤں۔ مگر ساٹھ فٹ بڑے موسیقی کے آلات کو بجانا مشکل نہیں ناممکن تھا۔ اس کا ہر ٹکڑا ایک فٹ کے برابر تھا۔ اس لیے پانچویں ٹکڑے تک میرا ہاتھ پہنچ نہیں سکتا تھا اور دبانا بھی بہت ہی مشکل کام تھا۔ میں نے موسیقی بجانے کے لئے

کے دو چھڑیاں تیار کیں جن کا ایک طرف کا سرا ذرا موٹا تھا۔ چوہے کی چمڑی اس پر لپیٹ دی گئی تا کہ موسیقی بجاتے ہوئے خراب نہ ہو۔ اب میں اس کے سامنے میز پر بیٹھ گیا اور موسیقی سروں کے ساتھ بجانے لگا۔ ملکہ اور بادشاہ نے وہ سنا تو بہت خوش ہوئے۔ اگرچہ مکمل طور پر درست نہ تھی کیونکہ بجاتے ہوئے مجھے مشکل درپیش تھی۔

وہاں کا بادشاہ بہت عقلمند انسان تھا۔ جب بھی اسے موقع ملتا مجھے بلا لیتا اور اپنے قریب ایک بینچ پر بٹھا کر گفتگو کرتا۔ میں نے باتوں باتوں میں اسے کہہ دیا کہ بادشاہ سلامت کو یہ بات ذیب نہیں دیتی کہ وہ اپنے سے چھوٹے قد کے انسانوں سے نفرت کریں۔ میں نے یہ بھی کہا کہ اگر غور کیا جائے تو یہ چیز ثابت ہو جاتی ہے کہ چھوٹی چیزیں بڑی چیزوں کی نسبت زیادہ قابل ہوتی ہیں اور مثال میں نے شہد کی مکھی اور چیونٹی کی دی جو سب سے زیادہ محنت کرتی ہیں۔ اور دیکھیں میں اگرچہ بہت ہی چھوٹا ہوں لیکن بادشاہ کے لیے بہت سی بہت خدمات انجام دے سکتا ہوں۔ بادشاہ نے بڑے غور سے میری باتوں کو سنا اور میرے ملک کے بارے میں بہت سی باتیں پوچھی۔ اس وقت میری خواہش تھی کہ میں جہاں سے آیا ہوں وہاں کی زیادہ سے زیادہ تعریفیں بیان کروں اور میں نے بہت سی باتیں بادشاہ کے سامنے پیش کیں۔

بادشاہ کو بتایا کہ میرے ملک کی حکومت دو جزیروں پر پھیلی ہوئی ہے جہاں تین سلطنتیں ہیں۔ مگر ان کا بادشاہ ایک ہی ہے۔ امریکہ کا کچھ حصہ بھی ہمارے کنٹرول میں ہے۔ ہمارا ملک سرسبز و شاداب ہے۔ پھر اپنی پارلیمنٹ کے بارے میں بتایا کہ اس کے بھی دو حصے ہیں۔ ایک میں بہت اعلی نسل کے شریف اور خاندانی لوگ شامل ہوتے ہیں۔ وہ بادشاہ اور ملک کے لیے کام کرتے ہیں، قانون بناتے ہیں اور اپنی بہادری اور ایمانداری سے بادشاہ اور ملک کی حفاظت کرتے ہیں۔ انہیں اسی لئے بہت اچھی تعلیم دی جاتی ہے۔ یہ لوگ بہت مشہور ہوتے ہیں اور ان کی عقل مندی اور بہادری پر تمام ملک بھروسہ کرتا ہے۔ کچھ مذہبی لوگ روحانی بزرگ بھی ان میں شامل ہوتے ہیں جو مذہب کا خیال رکھتے ہیں اور لوگوں کو مذہبی معاملات کے بارے میں بتاتے ہیں۔

پارلیمنٹ کے دوسرے حصے میں عام لوگوں سے ان کی وکالت کرنے کے لیے خاص لوگ آتے ہیں۔ یہ نہ صرف بہت قابل ہوتے ہیں بلکہ وطن سے بھی بہت محبت کرتے ہیں۔ پارلیمنٹ کا کام قانون سازی ہوتا ہے اور تمام ملک یہی چلاتے ہیں۔

میں نے قانون اور اپنی عدالتوں کے بارے میں بھی بتایا جہاں بہت اعلی قانون دان اور بہترین جج لوگوں کی لڑائیوں کے فیصلے کرتے ہیں۔ جب دیکھتے ہیں کہ کسی نے غلط حرکت کی ہے تو اسے سزا دیتے ہیں اور شرارتی لوگوں کو ان کی شرارتوں سے باز رکھتے ہیں۔ اپنے ملک کے خزانے کے بارے میں بادشاہ کو بتایا۔ اپنی فوج جو بحری اور بری تھی کے بارے میں بتایا کہ اس کا انتظام کس طرح کیا جاتا ہے۔ بلکہ مختصر الفاظ میں اپنے ملک کی ایک ایک چیز کے بارے میں بتایا اور کوشش کی کہ اس کی اچھائیاں جتنی زیادہ ہو سکے بیان کروں۔ اور گزشتہ تین سو برس میں جو واقعات ہوئے ان کو بھی مختصر طور پر بیان کر دیا۔

بادشاہ سلامت کے ساتھ میری گفتگو اتنی طویل تھی کہ پانچ نشستیں اس میں گزر گئیں اور بادشاہ نے ہر بات بہت توجہ سے سنیں اور چیزوں کو لکھتا بھی گیا۔ پھر مجھ سے بہت سارے سوالات کیے اور جو چیزیں اسے سمجھ نہیں آئی تھیں یا جن پر اسے شک تھا ان کے

بارے میں دوبارہ مجھ سے پوچھا۔ مجھ سے جہاں تک ممکن ہوا میں نے اس کے سوالات کے بھرپور جواب دینے کی کوشش کی۔ اگرچہ طوالت کی وجہ سے میں یہ باتیں درج کرنے سے اعتراض کروں گا۔ سید عرفان علی ڈوٹ کوم

WhatsApp

بادشاہ نہ صرف میری بات کو غور سے سنتا اور سوالات کرتا گیا بلکہ ایک ایک چیز پر بھرپور توجہ دیتا۔ اگرچہ وہ سمجھتا کہ ہم لوگ بہت ہی نہ صرف چھوٹے قد کے ہیں بلکہ حقیر بھی ہیں اس لیے جب وہ کسی چیز کی مجھ سے ضرورت سے زیادہ تعریف سنتا تو شک میں پڑ جاتا۔ یہ بادشاہ کی بڑائی اور عظمت تھی کہ اس نے مجھے حقیر خیال کرنے کے باوجود میری تمام باتیں غور سے سنیں۔ نہ صرف سنیں بلکہ ان پر غور وخوص بھی کیا۔ جبکہ حقیقت میں اس ملک کی سوچ اور حالات باقی دنیا سے بالکل الگ تھی اور وہ خیال کرتے تھے کہ ان کے ملک کے علاوہ کوئی اور دنیا نہیں ہے۔

اگرچہ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ بادشاہ کی یہ سوچ متعصبانہ تھی۔ مگر اس کا یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ اسے باقی دنیا کے بارے میں علم ہی نہ تھا۔ اگر دوسرے ملکوں کو دیکھتا ان کے کام اس کی نظروں میں آتے تو پھر وہ اپنے ملک کو اتنی اہمیت نہ دیتا اور دوسروں کو کمتر خیال نہ کرتا مگر ایسا نہ تھا۔

مجھے یہ کہنا پڑے گا کہ ملکی معاملات چلانے میں بادشاہ زیادہ عقلمند نہ تھا۔ اس بات کا اندازہ اس سے بھی ہوسکتا ہے کہ میں نے اسے ایک دفعہ بتایا کہ چار سو سال پہلے ہم نے ایک ایسا پاؤڈر ایجاد کیا ہے جو چیزوں کو تباہ وبرباد بھی کرسکتا ہے اور انہیں فوری طور پر آگ میں جلا کر ختم بھی۔ بجلی سے زیادہ تیزی سے وہ چمکتا ہے۔ ایک لوہے کی نالی بنا کر اس کے آگے لوہے کی گولی رکھ دیں اور اسے چلایا جائے تو گولی کی رفتار اتنی زیادہ ہو جائے گی کہ اسے روکنا ممکن نہیں ہو گا۔ اور اگر یہی پاؤڈر لوہے کی بہت بڑی بڑی نالیوں میں ڈال کر بہت بڑے بڑے گولے چلائے جائیں تو فوج کی فوج اس سے تباہ کی جاسکتی ہے اور مضبوط سے مضبوط قلعے کو بھی توڑا جاسکتا ہے۔ بڑے سے بڑا جہاز پانی میں ڈبویا جاسکتا ہے۔ میں نے اسے بتایا کہ جب ہم کسی شہر کو فتح کرنا چاہتے ہیں تو وہاں پر موجود قلعے کی مضبوط دیواروں کو اس سے تباہ کر کے تباہی پھیلادی جاتی ہے۔ قلعے کی دیواریں توڑ دی جاتی ہیں گھر تباہ کر دیئے جاتے ہیں اور انسانوں کو مار ڈالا جاتا ہے۔ یہ کہنے کے بعد میں نے بادشاہ کو خوش کرنے کے لیے کہا کہ مجھے اس چیز کے تیار کرنے کا فارمولا بھی علم ہے۔ اگر وہ چاہے تو اس کے ذریعے شہر کے شہر کو منٹوں میں تباہ وبرباد کرسکتا ہے۔

میں تو سمجھ رہا تھا کہ بادشاہ یہ سن کر خوش ہو گا لیکن میں نے اس کے چہرے کے اثرات سے اسے حیران ہوتے ہوئے دیکھا اور اس نے کہا کہ انتہائی فضول چیز اس سے پہلے اس نے کسی انسان کے منہ سے نہیں سنی۔ ایسی خراب تجویز پر عمل کرنے سے پہلے میں اپنی آدھی سلطنت چھوڑنا پسند کروں گا۔ بلکہ اس نے یہاں تک کہہ دیا کہ مجھے اگر اپنی جان عزیز ہے تو دوبارہ اس قسم کی تجویز نہ پیش کروں۔ اسی طرح کی اور بہت سی خرابیاں بھی اس ملک میں میں نے دیکھیں۔ جن کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں کا تجربہ زیادہ نہیں ہے اور ان کی سوچ محدود ہے۔ اس کی وجہ بھی یہ ہے کہ انہیں دوسری قوموں کو دیکھنے کا موقع ملا ہی نہیں۔

ان کی سوچ صحیح ہو یا غلط وہ ہمیشہ بہترین تصور کرتے ہیں اور اس میں مزید بہتری کی کوشش نہیں کرتے۔ ایک لاکھ ساٹھ ہزار پیدل اور بتیس ہزار سوار اس بادشاہ کی فوج میں شامل ہیں اور اس کے علاوہ ملک کے تمام لوگ ہی فوج کا حصہ سمجھے جاتے ہیں۔ جن کی سربراہی اعلیٰ طبقے کے لوگ کرتے ہیں۔ قدرت کی طرف سے یہ ملک اس طرح بنایا گیا ہے کہ باہر سے اس پر حملہ نہیں کیا جا سکتا۔ مگر جب میں نے اس ملک کی تاریخ پر نظر ڈالی تو معلوم ہوا کہ خانہ جنگیاں یہاں پر بہت زیادہ ہوتی رہیں۔ جن کی مختلف وجوہات تھیں۔ کبھی عوام آزادی کی خواہش کرتے۔ کبھی وزیر چاہتے کہ ان کے اختیارات بہت بڑھ جائیں اور کبھی بادشاہ کی خواہش ہوتی کہ وہ ہمیشہ بادشاہت کرتے رہیں۔ مگر جتنے عرصے میں وہاں رہا اس قسم کی کوئی بات میں نے ہوتی نہیں دیکھی۔ بادشاہ کے دادا کے وقتوں میں ہی ان تمام خانہ جنگیوں پر قابو پا لیا گیا تھا۔ موجودہ بادشاہ کے دور میں میں نے وہاں امن و سکون ہی دیکھا۔

مجھے یقین تو بہت زیادہ تھا کہ ایک نہ ایک دن یہاں سے واپس اپنے ملک چلا جاؤں گا آزادی حاصل کر لوں گا، لیکن یہ کس طرح ممکن تھا۔ کیونکہ جس جگہ پر میرا جہاز پہنچا تھا وہاں اس سے پہلے کوئی اور جہاز نہ آ سکا تھا۔ وہاں کے بادشاہ کی دلی آرزو تھی کہ مجھے میری طرح کی کوئی چھوٹے قد کی عورت مل جائے۔ میری شادی ہو، بچے پیدا ہوں اور میری نسل عجوبے کے طور پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے وہاں پر محفوظ رہے۔ اسی لیے اس نے حکم دے رکھا تھا کہ اگر کوئی اور جہاز ان کے سمندر کی حدود میں داخل ہو تو فوری طور پر اس میں موجود لوگوں کو دارالحکومت پہنچا دیا جائے۔ وہ تو یہ بات میری بہتری کے لئے کر رہے تھے مگر میں وہاں پر اپنے آپ کو پرندوں کی طرح قیدی محسوس کرتا، جسے پنجرے میں رکھا ہوا تھا۔ یہ کس طرح ممکن تھا کہ اپنی اولاد وہاں پر پیدا کرتا تاکہ وہ لوگوں کے درمیان بطور عجوبہ اور عجیب و غریب چیز کے طور پر رکھی جائے۔ ایسا کرنے سے پہلے تو میں مر جانا بہتر خیال کرتا تھا۔ اور اگر کوئی عورت وہاں پر آتی تو درحقیقت اس کی قسمت کا ستارا بہت ہی خراب ہوتا کہ میری طرح وہاں پر غلامی کی زندگی بسر کرتی۔

جہاں تک ممکن ہوتا وہاں پر میرے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا جاتا مگر جب بھی مجھے اپنی بیوی اور بچوں کا خیال آتا تو سخت پریشان ہو جاتا۔ ان کی جدائی میں روتا۔ میں انہیں بہت زیادہ یاد کرتا اور ان کے پاس جانے کی میری شدید خواہش تھی تاکہ ان کے ساتھ زندگی گزارتا اٹھتا بیٹھتا اور اپنے جیسے لوگوں سے باتیں کرتا۔ وہاں پر میں اس خطرے سے بھی محفوظ رہتا کہ کسی بھی وقت کسی بڑے سے پتھر کے نیچے مینڈک کی طرح آ کر میری زندگی ختم ہو جائے گی۔

اس جگہ پر رہتے ہوئے مجھے دو سال ہو چکے تھے اور بادشاہ اور ملکہ کے ساتھ میں ملک کی سرحد کی طرف روانہ ہوا۔ میں حفاظت کے لیے صندوق میں موجود تھا جس کی حفاظت کی ذمہ داری میری ملازمہ کی تھی۔ سفر سے ہم سب لوگ ہی تھک گئے۔ مجھے زکام ہو چکا تھا اور میرا خیال کرنے والیبھی بیمار تھی۔ میں نے ذہن میں ایک پلاننگ تیار کی کہ بیماری کا بہانہ کر کے سکون کی خاطر سمندر کے قریب جاؤں گا اور وہاں سے فرار ہونے کی کوشش کروں گا۔ میری اس فرمائش کو بادشاہ نے مان لیا۔ ایک حیران کن بات یہ ہوئی کہ میری خیال کرنے والی یہ بات سن کر بہت زیادہ پریشان ہو گئی اور زور زور سے رونے لگی۔ شاید اسے احساس ہو گیا تھا کہ ہم دونوں بچھڑنے والے ہیں۔ ایک ملازم صندوق کے ساتھ مجھے سمندر کے کنارے پر لے گیا۔ سمندر میری نظروں کے سامنے تھا اور میں اسے حسرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ ملازم سے کہا کہ میری آرام کی خواہش ہے تو اس نے صندوق کی کھڑکیاں بند کیں اور میں اندر آرام کرنے لگا۔ میں نے اسے جاتے ہوئے دیکھا شاید وہ گھونسلوں سے پرندوں کے انڈے جمع کرنے گیا تھا کیونکہ میں نے دیکھا کہ وہ گھونسلوں کے اندر جھانک کر دیکھ رہا ہے۔

کچھ دیر ہی گزری تھی کہ اچانک ایک جھٹکے سے میرے صندوق نے ہوا میں اڑنا شروع کر دیا۔ میں اس آفت سے بہت سخت پریشان ہو

بلندی سے نیچے گرائے گا۔ جب صندوق ٹوٹ جائے گا تو میں اس کی کسی کیڑے مکوڑے کی طرح خوراک بن جاؤں گا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے پروں کی آواز بہت تیز ہوتی محسوس کی اور اس کے بعد سیدھا سمندر کی طرف گرنا شروع کر دیا۔ میرا اندازہ تھا کہ دوسرے پرندوں نے مجھے جھپٹنے کی کوشش کی اور لڑائی کے دوران میں منہ سے نیچے گر گیا اور اب سمندر کی طرف جا رہا تھا۔ ایک بہت شدید دھماکے کے ساتھ میں سمندر میں گرا اور ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔ کچھ منٹ اسی طرح کا ماحول رہا اور پھر میں سمندر کے ساتھ اوپر کی طرف اٹھنے لگا۔ روشنی ہوئی تو دیکھا کہ میں سمندر میں پڑا ہوا ہوں۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ صندوق سمندر میں تیر رہا تھا۔ وہ بہت مضبوطی سے بنایا گیا تھا اور چاروں طرف لوہا لگایا گیا تھا اس لیے اب تک اسے زیادہ نقصان نہ پہنچا تھا۔ پہلے تو میں وہاں سے فرار ہونے کی

خواہش رکھتا تھا مگر اس وقت میری سوچ میں بہت زیادہ تبدیلی آچکی تھی۔ میں نے اپنی خیال کرنے والی کے بارے میں سوچا کہ وہ میرے لیے کتنی پریشان ہو گی۔ میں نے موت کو اپنے بہت قریب دیکھا مگر اس وقت اپنی فکر سے زیادہ اس کی پریشانی کی فکر تھی۔ ملکہ نے غصے میں نہ جانے اس کا کیا حشر کیا ہو گا۔

جب لوگ سیاحت کرتے ہیں تو مشکلات کا سامنا بھی کرتے ہیں لیکن میری مشکل تو بہت ہی زیادہ تھی۔ مجھے فکر تھی کہ کسی بھی وقت صندوق ٹوٹ کر ڈوب جائے گا اور اس کے ساتھ میں بھی ختم ہو جاؤں گا اور کوئی مچھلی مجھے کھا جائے گی۔ اگر اس صندوق سے باہر نکل بھی جاتا تو کیا فائدہ تھا ہر طرف سمندر تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ کتنی دیر بھوکا پیاسا زندہ رہ سکوں گا۔ آخر کار موت میرا مقدر تھی۔

میں انہی سوچوں میں پریشان بیٹھا تھا چار گھنٹے گزر چکے تھے کہ اچانک مجھے باہر سے کچھ آوازیں سنائی دیں اور پانی کی لہروں میں بھی اضافہ ہوا۔ میں نے ایک کرسی کو فوری طور پر صندوق کے فرش سے الگ کیا اس پر چڑھ کر کھڑکی سے باہر دیکھا۔ میری شدید خواہش تھی کہ کوئی انسان وہاں آئے اور مجھے بچالے۔ اس وقت زندہ رہنے کی شدید خواہش تھی۔ مجھے لگ رہا تھا کہ کوئی جہاز یا کشتی میرے صندوق کے قریب سے گزری ہے اس لیے کھڑکی سے زور زور سے آواز دی اور رومال کو باہر لہرایا۔

مجھے کوئی جواب تو نہ دیا گیا مگر میں نے کوئی سخت سی چیز دیکھی۔ سوچنے لگا کہ کیا یہ چٹان تھی۔ میرا صندوق اس کی جانب بڑھ رہا تھا۔ میں نے پوری طاقت سے چیخیں مارنی شروع کیں اور اس وقت میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا جب میں نے انسانوں کی آوازیں سنیں۔ یہ خوشی اتنی زیادہ تھی کہ وہی محسوس کرسکتے ہیں جو ان حالات سے گزریں گے۔ کھڑکی سے مجھے انسان کی آواز آئی کہ اگر کوئی اندر ہے تو ہمیں بتائے جواب دے۔ میں نے جواب دیا کہ ہاں میں اندر ہوں۔ میں انگریز ہوں اور بدقسمتی نے مجھے اس حال میں پہنچا دیا ہے۔ مجھے رہائی دلائی جائے۔ جواب میں بتایا گیا کہ میں خیریت سے ہوں اور صندوق کو جہاز سے باندھ دیا گیا ہے اب اسے توڑ کر مجھے باہر نکالا جائے گا۔ میں اس قدر بے قرار تھا کہا کہ توڑنے کا انتظار نہ کیا جائے اور صندوق کو جہاز پر لے جایا جائے۔ لوگوں نے میری بے قراری کو محسوس کیا اور ہنسنا شروع ہو گئے۔ کچھ لوگوں نے سوچا کہ برے حالات نے میرے دماغ کو خراب کر دیا ہے۔ اتنی دیر میں صندوق میں سوراخ کیا جاچکا تھا۔ میں باہر نکلا تو سخت پریشانی کی حالت میں تھا۔ جب انسانوں کو دیکھا جو بہت چھوٹے قد کے تھے تو حیران و پریشان انہیں دیکھتا رہا۔ دراصل میرے ذہن کو بہت بڑی جسامت کے انسان دیکھنے کی عادت پڑ چکی تھی۔

جہاز میں موجود تمام لوگ مجھے دیکھ کر حیران پریشان تھے۔ مجھ سے مختلف قسم کے سوالات کر رہے تھے۔ مگر میں اپنی حالت کی وجہ سے کسی کا بھی جواب دینے سے قاصر تھا۔ کپتان بہت ہمدرد اور لائق انسان تھا۔ جس نے اپنے کمرے میں مجھے بستر سونے کے لئے دے دیا۔ سونے سے پہلے میں نے اسے بتایا کہ میرے صندوق میں بہت سی نادر اور عجوبہ چیزیں ہیں اس لیے صندوق کو حفاظت سے جہاز میں لے کر آنا چاہیے۔ پہلے تو کپتان نے میری بات پر یقین ہی نہیں کیا پھر کچھ لوگوں کو صندوق کی تلاشی کے لیے بھیج دیا۔ لوگ وہاں پر گئے اور صندوق میں موجود جو چیزیں ملیں انہیں لے آئے۔ صندوق کی جو چیزیں جہاز میں استعمال ہو سکتی تھی وہ بھی ساتھ لے آئے اور صندوق کو بالکل ناکارہ کر دیا۔

میں جب کپتان کے کمرے میں سو رہا تھا تو بہت ہی خطرناک خواب مجھے نظر آرہے تھے جن کی وجہ سے میں پریشان ہو کر اٹھ بیٹھتا۔ دراصل ان خوابوں میں مجھے وہ ملک ذہن میں آجاتا جہاں سے میں آرہا تھا اور جس کے خوفناک اور خطرناک نظارے اب تک میں ذہن میں آتے اور مجھے تنگ کرتے۔ میں نے رات آٹھ بجے جاگنے کے بعد اپنے آپ کو پرسکون محسوس کیا اور کپتان سے کھانا کھانے کی خواہش ظاہر کی۔ اسے بھی احساس تھا کہ میں بہت زیادہ بھوکا ہوں اور کھانے کے بعد اس نے مجھ سے خواہش کا اظہار کیا کہ میں اپنے بارے میں بتاؤں کہ میرے ساتھ کیا کچھ بیتا تھا اور میں اس صندوق میں کس طرح پہنچا۔ اس نے مجھے بتایا کہ بارہ بجے کے قریب اسے وہ صندوق نظر آیا تو سمجھا کوئی بادبان ہے۔ کچھ اور قریب آیا تو اندازہ ہوا کہ یہ کوئی اور شے ہے اس لئے کشتی میں کچھ لوگوں کو اس کے بارے میں معلوم کرنے کے لیے بھیجا۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ ایک چوکور مکان کی مانند کمرہ ہے جو پانی میں تیر رہا ہے جسے سن کر مجھے ہنسی آگئی اور میں خود کشتی میں تمہارے صندوق کے پاس گیا۔ چاروں طرف گھوم کے اس کا جائزہ لیا۔ موٹے رسے سے باندھ کر اسے جہاز کے قریب لے آیا اور پھر اسے جہاز پر کھینچنے کی بھی کوشش کی مگر وہ بہت بھاری تھا اور مشکل سے ہی دو تین فٹ اوپر اٹھ سکا۔ تمہارے رومال اور آواز سے اندازہ لگالیا کہ کوئی بدقسمت اس کے اندر موجود ہے۔

میں نے ان سے دریافت کیا کہ کیا اس نے کوئی بڑی جسامت کا پرندہ اڑتے ہوئے دیکھا ہے تو اس نے جواب دیا کہ ہاں جہاز پر موجود لوگ کہہ رہے تھے کہ تین عقاب بہت زیادہ اونچائی پر اڑے رہے ہیں۔ مگر ان کی جسامت کے بارے میں انہوں نے کچھ نہیں کہا۔ میں نے کپتان سے پوچھا کہ ہم خشکی سے کتنی دور ہونگے۔ جب اس نے بتایا تو میں نے کہا نہیں میں دو گھنٹے پہلے خشکی سے سمندر کی طرف آیا ہوں اس لئے فاصلہ آپکے بتائے ہوئے فاصلے سے آدھا ہوگا۔ کپتان نے میری یہ بات سنی تو مجھے اس طرح دیکھا جیسے میرا دماغ خراب ہو۔ اسی لیے کہا کہ مجھے آرام کرنا چاہیے۔ میں نے اس سے کہا کہ میں بالکل تندرست ہوں اور مجھے کوئی بیماری نہیں ہے۔ یہ بات سن کر اسے غصہ چڑھ گیا اور کہنے لگا کہ ایسی بات کرتے ہوئے میرے ضمیر کو شرمندگی محسوس کرنی چاہیے۔ یقینی طور پر میں نے کوئی بڑا جرم کیا ہے جس کی سزا کے طور پر مجھے صندوق میں بند کیا گیا تھا۔ بادشاہ جب کسی بہت بڑے مجرم کو دیکھتے ہیں تو ایسی سزا ہی دیتے ہیں۔ اب میں تمہارے لئے غلط سوچ رکھنے پر مجبور ہو رہا ہوں کیونکہ تمہاری باتیں سن کر مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ تم جھوٹے انسان ہو۔

میں نے اس سے خواہش کا اظہار کیا کہ وہ شروع سے آخر تک میری تمام باتیں سنے۔ وہ اچھا اور نیک انسان ہے اور خود فیصلہ کرے گا کہ میں سچ کہہ رہا ہوں۔ تمام واقعات اسے بیان کیے اور اپنے ثبوت کے طور پر صندوق میں موجود اشیاء بھی پیش کیں۔ ان میں وہ کنگھی بھی شامل تھی جو بادشاہ کے بالوں سے بنائی گئی تھی۔ ملکہ نے جو سونے کی انگوٹھی مجھے تحفے میں دی تھی وہ بھی کپتان کو میں نے دے دی۔ انگوٹھی اگرچہ ملکہ نے اپنی چھوٹی انگلی میں پہن رکھی تھی مگر میں اسے گلے میں پہنتا تھا کیونکہ وہ بہت بڑی تھی۔ میری باتیں کپتان نے حیرانی سے سنیں اور کہا کہ یہ تو بہت شاندار بات ہے اور انگلینڈ میں پہنچ کر ہم اسے شائع کریں گے۔ جسے لوگ بہت شوق سے پڑھیں گے۔

میں نے جواب دیا کہ دوسرے سیاحوں نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ جن میں بہت زیادہ جھوٹ بھی موجود ہے تاکہ پڑھنے والے خوش ہوں اور لکھنے والوں کی شان و شوکت میں اضافہ ہو۔ میری باتیں تو معمولی چیزوں پر مشتمل ہونگی یعنی وہاں کے انسان پودے پرندے اور دیگر جانوروں کے حالات ہوں گے۔ میں نے اسے یقین دلایا کہ اس کے کہنے کے مطابق اپنی تمام سرگذشت تحریر کروں گا۔ میں جب بولتا تو بہت تیز آواز سے جس سے کپتان نے کہا کہ جہاں سے میں آرہا ہوں کیا وہاں پر لوگ کم سنتے تھے جو میں اتنی زور سے بولتا ہوں۔ اسے بتایا کہ جہاں سے میں آرہا ہوں ان لوگوں کے قد بہت ہی بڑے تھے اور جب وہ آہستہ آواز میں بھی بات کرتے تو وہ آواز مجھے سنائی دے جاتی تھی جبکہ اپنی بات سنانے کے لیے مجھے بہت زور سے بولنا پڑتا تھا۔ اسی لئے جب میں اس جہاز میں آیا تو مجھے لوگ بہت ہی چھوٹے قد کے لگ رہے تھے اور میں انہیں دیکھ کر حیران ہو رہا تھا کہ یہ کیسی قوم ہے جن کے قد اتنے چھوٹے ہیں۔ کھانا کھاتے ہوئے بھی انہیں حیرانی سے دیکھنے کی یہی وجہ تھی۔

جہاز نے اپنا سفر جاری رکھا اور بہت سی بندرگاہوں سے ہوتے ہوئے تین جون سترہ سو چھ کو ہم اپنی منزل مقصود پر پہنچے۔ میں نے جہاز کے کپتان کو کہا کہ وہ میری بہت سی چیزیں امانت کے طور پر رکھ لیں جب میں کرایہ ادا کروں تو پھر واپس کر دے مگر اس نیک انسان نے مجھ سے کرایہ لینے سے انکار کر دیا۔ اپنے گھر پہنچنے پر بھی مجھے تمام انسان بہت چھوٹے لگ رہے تھے جیسے دوبارہ لی لی پٹ میں آچکا ہوں۔ مگر کچھ عرصے بعد میری پریشانی اور گھبراہٹ ختم ہو گئی اور میں نے اپنے بیوی بچوں کے ساتھ ایک خوشگوار زندگی گزارنی شروع کر دی۔

گلیور کا تیسرا سفر

A VOYAGE TO LAPUTA, BALNIBARBI, GLUBBDUBDRIB, LUGGNAGG AND JAPAN

اڑنے والے جزیرے اور دوسرے ملکوں میں

میری واپسی کے بعد دس دن ہی گزرے تھے کہ کیپٹن ولیم رابنسن جو جہاز Hopewell کا کپتان تھا مجھ سے ملنے کے لیے آیا۔ ہم دونوں پہلے بھی ایک ساتھ ایک جہاز میں سفر کر چکے تھے اور میں نے محسوس کیا تھا کہ اس نے مجھے ایک ملازم کے بجائے اپنے چھوٹے بھائی کی طرح عزت دی۔ میرے لئے اس سفر کی یادیں بہت خوشگوار تھیں۔ جب وہ آیا تو میں نے محسوس کیا کہ اس کی محبت اسے میرے پاس کھینچ لائی ہے تاکہ وہ مجھ سے میرے سفر کے حالات اور تفصیلات معلوم کرے۔ مگر کچھ باتوں کے بعد اس نے مجھ سے کہا کہ وہ دوبارہ بحری سفر پر جا رہا ہے اور میں بھی اس کے ساتھ اس سفر پر چلوں۔ دو ماہ بعد ایسٹ انڈیز کے سفر پر اس نے روانہ ہونا تھا اور اس کی خواہش تھی کہ میں اس جہاز پر بطور سرجن اس کے ساتھ چلوں۔ اس نے مجھے کہا کہ میری تنخواہ بہت اچھی ہو گی اور مجھے ایک اسسٹنٹ بھی دیا جائے گا تاکہ مجھ پر کام کا زیادہ بوجھ نا پڑے۔

ایک تو وہ بہت اچھا انسان تھا دوسرے اس نے مجھے بہت اچھی تنخواہ کی پیشکش کی اور تیسرے سمندر مجھے بہت زیادہ یاد آ رہا تھا اور میری خواہش تھی کہ دوبارہ سفر کروں۔ میرے لیے بے حد مشکل یہ تھی کہ میری بیوی اب مجھے اس چیز کی اجازت دے دے کہ میں دوبارہ سمندری سفر پر چلا جاؤں اور اس سلسلے میں اس کی رضامندی ایک مشکل مرحلہ تھا۔ میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ جو اچھی تنخواہ مجھے ملے گی اس سے ہم اپنے بچوں کی بہت اچھی پرورش کر سکتے ہیں اور اس بات پر وہ مجھے سفر پر جانے کی اجازت دینے کے لیے تیار ہو گئی۔ پانچ اگست سترہ سو چھ کو ہم نے اپنے سفر کا آغاز کیا اور گیارہ اپریل سترہ سو سات کو ہم قلع سینٹ جورج کی بندرگاہ پر پہنچ چکے تھے۔

عرصہ ٹھہرنا پڑا۔ وہاں ٹھہرنے کی وجہ سے چونکہ بہت زیادہ اخراجات ہو رہے تھے اس لئے جہاز کے کپتان نے فیصلہ کیا کہ ایک چھوٹا جہاز خرید کر اس میں سامان رکھ کر اسے پہلے روانہ کر دیا جائے اور ایسا ہی کیا گیا۔ کام کے سلسلے میں کپتان نے خود اسی بندر گاہ پر قیام کیا۔ ایک جہاز وہاں سے خریدا اور چودہ افراد پر مشتمل جہاز کے عملے کے ساتھ مجھے ان کا انچارج بنا کر روانہ کر دیا۔

ہمیں سفر کرتے ہوئے تین دن ہی ہوئے تھے کہ ایک طوفان میں پھنس گئے۔ پانچ دن تک طوفان ہمیں اپنی منزل سے دور لے کر جاتا رہا۔ دسویں دن بحری قزاق پیچھا کرتے ہوئے نظر آئے۔ ہم نے بھاگنے کی کوشش تو کی مگر جہاز پر بہت زیادہ سامان ہونے کی وجہ سے اس کی رفتار بہت سست تھی۔ ہمارے پاس کوئی ایسی چیز بھی نہ تھی جن سے ہم ان کا مقابلہ کرتے اس لئے ان سے لڑنا بے وقوفانہ بات تھی۔ بحری قزاق جو دو بحری جہازوں پر سوار تھے ہمارے جہاز پر آ گئے۔ ان کا ارادہ تو ہم سے مقابلہ کرنے کا تھا لیکن ہم پہلے ہی اپنے جہاز پر منہ کے بل لیٹ کر اپنی شکست کا اعلان کر چکے تھے۔ ہمیں کوئی نقصان تو نہ پہنچایا گیا بس رسیوں سے باندھ کر ہمارے جہاز کی تلاشی لینا شروع کر دی گئی۔ میں نے دیکھا کہ ایک بحری قزاق کا تعلق ہالینڈ سے ہے اور اس نے بھی ہمیں پہچان لیا کہ ہم انگریز ہیں اور یہ پہچاننے کے بعد اس نے ہمیں بہت برا بھلا کہا۔ بلکہ یہاں تک کہہ دیا کہ ہمیں سمندر میں پھینک دیا جائے گا۔

کیونکہ مجھے اس کی زبان بہت اچھی آتی تھی اس لئے میں نے اس سے درخواست کی کہ ہمارے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے کیونکہ ہم دونوں ہی عیسائی مذہب سے تعلق رکھتے ہیں اور ہمارے ممالک بھی ہمسایہ ہیں اور ان کے درمیان اتحاد اور معاہدہ بھی موجود ہے۔ اس لئے اسے چاہئے کہ وہ کپتان سے ہماری سفارش کرے اور ہمیں چھوڑ دیا جائے۔ اس نے جیسے ہی میری یہ بات سنی بہت سخت غصے میں آ گیا اور دوسرے بحری قزاقوں سے بات کی جو کہ جاپان سے تعلق رکھتے تھے۔ مجھے اس کی زبان سمجھ تو نہ آئی مگر ایک تو وہ بہت غصے میں بات کر رہا تھا اور دوسرے میرے ہی بارے میں بات کر رہا تھا کیونکہ لفظ مسیحی میں نے ایک سے زیادہ مرتبہ سنا۔ بڑے بحری جہاز میں ایک کپتان بھی تھا جو ان کا لیڈر تھا۔ اس نے تمام بات سننے کے بعد مجھ سے بات شروع کی۔ میں نے عاجزی اور انکساری سے اس سے درخواست کی کہ ہمیں قتل نہ کیا جائے جس پر اس نے کہا کہ ہاں تمہیں زندہ رکھا جائے گا۔

جو بحری قزاق ہالینڈ سے تعلق رکھتا تھا میں نے اسے دوبارہ کہا کہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ جانور بھی ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں مگر ہم انسان ہونے کے باوجود ایک دوسرے کی مدد نہیں کر رہے۔ کوئی رحم نہیں کر رہے۔ یہ بات سن کر اسے بہت غصہ غصہ چڑھ گیا۔ بحری جہاز کے میرے تمام ساتھیوں کو بحری قزاقوں کے دونوں جہازوں پر برابر تقسیم کر دیا گیا۔

اس وقت میں سخت پریشان ہوا جب دیکھا کہ مجھے دونوں جہازوں میں سے کسی پر بھی تقسیم نہیں کیا گیا۔ دراصل مجھے ایک چھوٹی سی کشتی پر بٹھا کر سمندر کے حوالے کر دیا جانا تھا۔ اس خطرناک سمندر میں اکیلے سفر کا سوچ کر ہی میں بہت خوف اور دہشت میں مبتلا ہو چکا تھا۔ ہالینڈ سے تعلق رکھنے والے بحری قزاق کی نفرت نے مجھے اس حال میں پہنچا دیا تھا اور میرے پاس کوئی دوسرا راستہ بھی نہ تھا۔ لیکن اس وقت جاپان سے تعلق رکھنے والے والے کپتان نے مجھ پر رحم کیا اور میری کشتی پر اتنا کھانا پانی رکھ دیا گیا جو کم از کم چار دن کے لیے کافی تھا اگر میں اسے احتیاط سے استعمال کرتا تو۔ میں نے جب اپنی کشتی پر اکیلے سفر شروع کیا تو اس وقت بھی ہالینڈ سے تعلق رکھنے

والے بحری قزاق کی غصے سے بھری ہوئی باتیں میرے کانوں میں گونج رہی تھیں۔ ان لوگوں سے کچھ دور جانے کے بعد مجھے جنوب مشرق کی سمت کچھ خشکی کے جزیرے نظر آئے۔ میں نے اس طرف اپنا سفر شروع کیا۔ ہوا تیز تھی اس لئے تھوڑی ہی دیر بعد ایک خشکی کے جزیرے پر پہنچ گیا۔ پہلا جزیرہ جس پر میں پہنچا وہ بے آباد تھا اور بنجر بھی۔ وہاں پر پرندے موجود تھے اور میں نے ان کے گھونسلوں سے کچھ انڈے نکالے آگ جلائی اور انہیں کھایا۔

رات اسی جزیرہ پر بسر کی اور دوسرے دن دوسرے جزیروں کی جانب سفر شروع کیا۔

میں جس جزیرے پر بھی گیا اسے بے آباد پایا۔ میری تنہائی مجھے بہت زیادہ اداس اور افسردہ کر چکی تھی اور خیال کر رہا تھا کہ یہاں کسی جزیرے پر اکیلے ہی دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا اپنے محبت کرنے والے بیوی اور بچوں سے دور۔ جزیرے میں موجود ایک غار میں ایسی ہی اداسی بھری سوچوں کے درمیان اپنی رات بسر کی۔ صبح جب میں جاگا تو سورج بہت روشن اور گرم تھا۔ میں اپنے گھر سے باہر آیا اور سوچنے لگا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے۔ سورج کی گرمی اس قدر زیادہ تھی کہ میں نے واپس اپنی غار میں جانے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ اچانک محسوس کیا سورج اور میرے درمیان کوئی شے آچکی ہے کیونکہ اپنی پچھلی جانب میں نے کچھ سردی سی محسوس کی۔ مگر یہ بات عجیب سی

تھی کیونکہ آسمان بادلوں سے خالی تھا۔ سورج کی طرف دیکھا تو واقعی سورج اور میرے درمیان کوئی چیز موجود تھی۔ مگر وہ بادل تو نہ تھے یا کم از کم اس طرح کے بادل نہ تھے جنہیں میں جانتا تھا۔ یہ بادل نہیں بلکہ مٹی کی دھول کی مانند کوئی شے تھی جو سمندر سے ایک میل کی بلندی کے قریب تھی۔

جیسے ہی یہ میرے جزیرے کے قریب آئی تو میں جان گیا کہ یہ تو ایک مکمل جزیرہ ہے جو ہوا میں اڑ رہا ہے۔

کچھ دیر کے بعد مجھے اس میں انسان بھی نظر آنے لگے۔ انسانوں کو دیکھ کر مجھے اتنی زیادہ خوشی ہوئی کہ یہ بات بھی بھول گیا کہ جزیرہ ہوا میں کس طرح اڑ سکتا ہے۔ اس جزیرے کے کنارے پر نیچے جانے کے لیے خاص طور پر جگہ بنائی گئی تھی۔ وہاں پر بیٹھے ہوئے کچھ لوگ مچھلیاں بھی پکڑ رہے تھے۔ اپنی پوری طاقت سے میں نے چلانا شروع کیا تاکہ وہ لوگ میری مدد کر سکیں۔ تھوڑی ہی دیر بعد ان لوگوں نے میری موجودگی محسوس کر لی۔ وہ خود تو کچھ نہ کر سکتے تھے مگر میں نے دیکھا کہ چند لوگ اوپر کی جانب تیزی سے بھاگ رہے ہیں۔ شاید وہ اعلیٰ حکام کو اس بارے میں بتانا اور مزید حکم لینا چاہتے تھے۔ اڑتے ہوئے جزیرے کے کنارے میں جلد ہی بہت زیادہ لوگ جمع ہو چکے تھے اور پھر جزیرے نے میری جانب حرکت شروع کر دی۔ قریب آنے کے بعد وہ اڑتا ہوا جزیرہ پانی کے بہت قریب آ گیا اور لوگوں نے مجھ سے مخاطب ہونے کی کوشش کی۔ ایک آدمی کی آواز اس طرح کی تھی جیسے اطالوی زبان بول رہا ہو تو میں نے بھی اسی زبان میں اس سے بات کرنے کی کوشش کی مگر ہم دونوں میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کی زبان کو نہ سمجھ سکا۔ لیکن ہم دونوں کو یہ بات سمجھ آ رہی تھی کہ مجھے مدد کی ضرورت ہے اور وہ لوگ مجھے مدد دینے کے لیے بھی تیار ہیں۔ مجھے اشارہ کیا گیا کہ میں جزیرے کے کنارے پر آ جاؤں تاکہ وہ لوگ میری مدد کر سکیں۔ رسیوں سے بنائی گئی ایک سیڑھی مجھے جزیرے سے لٹکتی ہوئی نظر آئی تو میں اس پر چڑھ کر جزیرے پر پہنچ گیا اور جلد ہی بہت سارے لوگ میرے ارد گرد جمع ہو چکے تھے۔

یہ کہنا بہت مشکل تھا کہ وہ لوگ مجھے دیکھ کر زیادہ حیران پریشان ہیں یا میں ان لوگوں کو دیکھ کر۔ دراصل ان لوگوں کی طرح کے لوگ میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ ان میں سے کچھ لوگوں کے سر دائیں طرف جھکے ہوئے تھے اور کچھ لوگوں کے بائیں طرف۔ جبکہ کچھ لوگ مسلسل آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ان کے کپڑے سورج چاند اور ستاروں کے ڈیزائن پر تیار کیے گئے تھے اور ان کی کڑھائی بھی موسیقی کے مختلف سازوں کے ڈیزائن پر کی گئی تھی۔ ان میں سے کچھ ساز تو ایسے تھے جو میں جانتا تھا اور کچھ ایسے تھے جن سے میں ناواقف تھا۔ میرے قریب جو افراد موجود تھے انہوں نے اچھے لباس زیب تن کیے ہوئے تھے۔ جبکہ ان کے ملازم ہاتھ میں ایک چھڑی پکڑے ہوئے تھے جس کے کونے میں ایک غبارے کی مانند شے لگی ہوئی تھی جس کے اندر خشک مٹر کے دانے یا چھوٹے چھوٹے کنکر موجود تھے۔ ملازم انہیں اپنے آقا کی آنکھوں اور منہ پر ہلکا سا مارتے تاکہ وہ اپنی سوچوں سے باہر نکل کر ہوش میں آ جائیں۔ دراصل وہ لوگ فلسفے اور دیگر پڑھائی لکھائی کی سوچوں میں اس قدر زیادہ ڈوبے ہوئے ہوتے تھے کہ انہیں نہ تو کسی کی بات سنائی دیتی اور نہ وہ کسی سے بات کرتے۔ اس چیز کو ہلکا سا مار کر انہیں احساس دلایا جاتا کہ وہ ہوش میں حقیقی دنیا میں آ جائیں اور بات کریں۔ ان کے منہ پر مارنے کا مقصد انہیں احساس دلانا ہوتا تھا کہ انہیں بات کرنی ہے اور ان کے کان پر مارنے کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ انہیں کوئی بات سننی چاہیے۔ یہ ملازم صرف اہم لوگوں کے پاس ہی ہوتے تھے۔

دراصل وہ لوگ علم کے بارے میں اور سائنسی دریافتوں کے بارے میں اتنا زیادہ سوچ رہے ہوتے تھے کہ ڈر تھا کہ کہیں سمندر میں ہی نہ گر جائیں یا کوئی اور نقصان ہی نہ پہنچ جائے۔ ابتدا میں ہی میں نے یہ بات اس لیے بتائی کیونکہ وہاں اوپر چڑھتے ہی میں نے محسوس

کرلیا کہ وہ لوگ اپنی سوچوں میں اتنے زیادہ گم تھے کہ بھول جاتے کہ کیا بات کر رہے تھے یا کام کر رہے تھے اور ان کے ملازم انہیں بار بار یہ چیز مار کر احساس دلاتے کہ وہ اپنی بات مکمل کریں۔

جلد ہی مجھے بادشاہ کے محل میں پہنچا دیا گیا۔ جب میں اس کے کمرے میں پہنچا تو وہ بہت بڑے شاہی تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے چاروں طرف ریاضی کے مختلف آلات اور کرہ ارض کی مانند بڑے سفید ماڈل بھی موجود تھے۔ اس وقت بھی اس کا ذہن کسی مسئلے کو حل کرنے میں مصروف تھا۔ اگرچہ جب ہم وہاں پہنچے تو ہماری آوازوں سے اسے ہماری طرف دیکھنا چاہیے تھا مگر وہ اپنی ہی سوچوں میں گم رہا۔ دربار میں تمام موجود لوگ انتظار کرتے رہے کہ کب بادشاہ اپنے مسئلے کو حل کرے اور توجہ دے جس میں ایک گھنٹہ ہمیں انتظار کرنا پڑا۔ اس کے ملازم نے جب دیکھا کہ بادشاہ مسئلہ حل کر چکا ہے تو آہستگی سے اس کے منہ پر غبارہ نما چیز ماری جس پر اس نے چونک کر میری جانب دیکھا۔ وہ میرا انتظار کر رہا تھا کیونکہ جیسے ہی میں وہاں پر پہنچا تھا اسے میرے بارے میں بتا دیا گیا تھا۔ بادشاہ کے اشارہ

بہت عالم فاضل جو ہر وقت اپنی سوچوں میں گم رہے۔ بادشاہ نے مجھ سے بہت سے سوال کیے مگر ان میں سے کوئی بھی میری سمجھ میں نہیں آیا۔ جتنی زبانیں مجھے آتی تھی سب میں اس سے بات کرنے کی کوشش کی۔ جب بادشاہ سمجھ چکا کہ ہم دونوں ایک دوسرے کی بات سمجھنے سے قاصر ہیں تو اس نے مجھے وہاں سے جانے کا اشارہ کیا۔

مجھے ایک کمرے میں لے جایا گیا اور اشاروں سے بتایا گیا کہ مجھے یہاں پر رہنا ہے اور جلد ہی میرے لئے کھانا لایا گیا۔

رات کے کھانے کے بعد ایک شخص کو مجھے ان کی زبان سکھانے کے لیے بھیجا گیا۔ اپنی اچھی یادداشت کی مدد سے میں نے چند دنوں میں بہت سے الفاظ سیکھ لیے۔ ایک مہینے بعد میں ان کی زبان اچھی طرح بول سکتا تھا۔ بادشاہ نے مجھے اپنے استاد کے ساتھ اس جزیرے کو دیکھنے کی اجازت مرحمت فرمائی جس کا نام لاپوٹا تھا۔ مجھے معلوم ہوا کہ جزیرے کے بیچ میں ایک بڑا مقناطیس تھا۔ دوسرے جزیروں کی طرف اس مقناطیس کے مثبت یا منفی قطب کو گھماتے ہوئے لے جایا جاتا تھا۔ اگر نیچے موجود کوئی بھی جزیرہ بغاوت کرتا تو بادشاہ کے

پاس اسے دوبارہ کنٹرول میں لانے کے دو طریقے تھے۔ سب سے پہلے اس شہر کے اوپر لے پوٹا کو لے آتے اور اس طرح دھوپ اور بارش سے وہ محروم ہو جاتا۔ لے پوٹا کے لوگ نیچے پتھروں کی بارش بھی کر سکتے تھے۔ لیکن اگر کوئی قصبہ پھر بھی باز نہیں آتا تو ان کے پاس ایک آخری حربہ یہ تھا کہ لے پوٹا کو اس پر گرا کر گھروں اور انسانوں کو کچل دیں۔ لیکن بادشاہ نے کبھی بھی ایسی خوفناک کارروائی کا حکم نہیں دیا تھا۔ کیونکہ اگر قصبے میں کوئی بڑی چٹانیں یا مینار ہوتے تو ان کے تیز کناروں سے جزیرے کے نچلے حصے کو بہت نقصان پہنچ سکتا تھا۔ ایک بار لنڈالینو Lindalino شہر نے بغاوت کی۔ باغی بستی والوں نے چٹان کے چار مینار بنائے اور ان میں مقناطیس لگا دیے تھے۔ جب تیرتا ہوا جزیرہ لنڈالینو کو کچلنے کے لیے نیچے آیا تو اسے مقناطیسوں نے تقریباً پکڑ لیا۔ اس کے بعد بادشاہ کو مجبور کیا گیا کہ وہ اس باغی شہر کے لوگوں کو اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزارنے دیں۔

لے پوٹا میں میرے ساتھ اچھا سلوک کیا گیا لیکن میں وہاں کبھی خوش نہیں رہ سکتا تھا اور وہاں سے جانے کا خواہش مند تھا۔ کیونکہ ان لوگوں کو ریاضی اور موسیقی کے علاوہ کسی چیز میں دلچسپی نہ تھی۔

وہ ان مضامین کے بارے میں مجھ سے کہیں زیادہ جانتے تھے اور مجھے کمتر سمجھتے۔

صرف وہاں کے ملازم اور عورتوں سے میں بات کر سکتا تھا

کیونکہ باقی تمام لوگ بہت زیادہ ریاضی موسیقی اور دوسری سوچوں میں گم رہتے۔

میں اس جگہ پر بہت بوریت محسوس کر رہا تھا اس لیے لاپوٹا کے بادشاہ سے وہاں سے رخصت ہونے کی اجازت طلب کی۔ شاید بادشاہ کے نزدیک میری کوئی اہمیت نہیں تھی اور مجھ سے جان چھڑانا بھی چاہتا تھا اس لیے فوری طور پر اجازت دے دی۔ لے پوٹن علوم پر مہارت حاصل کرنے کی بہت زیادہ خواہش رکھتے تھے اس میں ہمیشہ مگن رہتے مگر ان کی عمارات اور مکان انکے لباس کی طرح بے ہنگم بے ترتیب بنے ہوئے تھے۔ جیومیٹری میں مہارت کے باوجود مکانات کی تعمیر میں سیدھی اور ترتیب نظر نہ آتی۔ دیواریں اس قدر ٹیڑھی کہ لگتا کسی وقت بھی گر جائیں گی۔ وہ ایسے علم پر دھیان دے رہے تھے جس کا انھیں بالکل بھی فائدہ نہیں مل رہا تھا۔ بے توجہی کی وجہ سے غربت بہت زیادہ تھی اور غریب کا حال خراب تھا۔

مجھے جزیرے بالنی باربی Balnibarbi پر اتار دیا گیا۔ وہاں میرا گائیڈ منودی Munodi نام کا ایک لارڈ تھا۔ اس نے مجھے جزیرے کے ارد گرد گھمایا جسے دیکھ کر مجھے سخت افسوس ہوا۔ اتنے خراب حال بنجر کھیت پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے۔

خراب حال مکانات اور بے حد غریب لوگ۔

جب منودی کی اپنی زمین پر آئے تو وہ خوبصورت تھی. کسانوں کے مکانات صاف ستھرے اور شاندار بنے ہوئے تھے، مکئی کے عمدہ کھیت، سرسبز انگور کے باغات، اور گھاس کا میدان۔ میں اتنی خوشحالی دیکھ کر اس سے پوچھنے پر مجبور ہو گیا کہ اس کی خوشحالی کا کیا راز

میری اس اس چیز کو وہاں پر پسند نہیں کیا جاتا اور میرے بہت ہی کم دوست ہیں۔

اگرچہ کچھ اور لوگ بھی ایسی سوچ رکھتے ہیں مگر ان کی تعداد بہت ہی کم ہے۔

وہاں کی سائنس اکیڈمی میں دیکھنے گیا جہاں سائنسدان تجربات میں مشغول تھے۔ کوئی بہتر کھیتی باڑی کے لئے مٹی پر تجربات کر رہا تھا، کوئی گند اور فضول چیزوں سے کھانے پینے کی اشیاء تیار کرنے کی کوشش میں مصروف تھا، کوئی ریاضی کی مشکلات کو سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا اور ایسے ہی دوسرے تجربات کیے جا رہے تھے جن کا کسی کو کوئی فائدہ نہ تھا۔

اگرچہ میں جانتا تھا کہ یہ سب کچھ فضول چیزیں ہیں مگر ان کے منہ پر ان کی تعریف کرنی پڑی۔

سائنسدان تو دراصل بچوں کی مانند تھے جو زمین کو اس سیارچے سے بچانے کی کوشش میں مصروف تھے جو زمین کے قریب پڑھ رہا تھا اور زمین کو تباہ کر سکتا تھا۔ یا پھر سورج کے ٹھنڈا ہونے کے بعد زمین پر زندگی کس طرح بچائی جا سکتی ہے۔ روزانہ سورج کی طرف دیکھتے کہ کیا یہ پچھلے دن سے مختلف نظر آ رہا ہے اور اگر ایسا ہے تو اس کا خاتمہ نزدیک ہے۔ لے پوٹا میں جو لوگ رہتے ہیں ان کی بیویوں اور لڑکیوں کو جزیرہ چھوڑنے کی اجازت نہیں اور وہاں پر اتنی زیادہ بوریت محسوس کرتی ہیں کہ اڑنے والے اس جزیرے سے فرار ہو کر غربت کی زندگی کو ترجیح دیتی ہیں۔

جزیرے بالنی باربی Balnibarbi پر سیر کے دوران میں نے بہت سی عظیم جگہوں کا دورہ کیا۔ جن میں عظیم اکیڈمی، وہاں کی عدالت اور شہنشاہ شامل تھے۔ میرا دوست یہ سب چیزیں دیکھ کر خوش نہ تھا۔

ان لوگوں کے رسم و رواج اور طور طریقے دیکھ کر میں بھی حیران ہوا۔

گرب ڈوب ڈرب کہ گورنر نے میرا استقبال کیا۔ جس کا کہنا تھا کہ وہ مرے ہوئے لوگوں کی روحوں پر بھی حکومت کرتا ہے تو میں نے ان بہت سے عظیم لوگوں کی روحوں سے ملاقات کی جو بہت زمانہ پہلے مر چکے تھے اور تاریخ میں ان کا تذکرہ پڑھا تھا۔ افلاطون اور

سکندر اعظم وغیرہ ان میں شامل تھے۔ روم کے عظیم شخص سے ملاقات کی اس سے سوالات کیے تو علم ہو گیا کہ تاریخ دانوں نے کہاں کہاں غلطیاں کی ہیں۔ مثال کے طور پر سکندر اعظم کو زہر دے کر نہیں مارا گیا تھا بلکہ وہ بخار سے مرا تھا۔

لگ نیگ کہ بادشاہ سلامت اپنے ملاقاتیوں سے بہت عجیب طریقے سے ملاقات کرتے تھے۔ ملاقاتی کو دربار کے دروازے سے لے کر ان کے تخت تک چاٹتے ہوئے جانا پڑتا تھا۔ اس چیز سے میرا تو برا حال ہو گیا لیکن مجھے تسلی دی گئی کہ وہاں زمین کو بار بار صاف کیا جاتا ہے۔ شاید اس طرح بادشاہ اپنے بہت سے دشمنوں کو بھی فارغ کرتا تھا۔ جب بغاوت پر آمادہ اس کا کوئی دشمن وہاں آتا تو زمین پر زہر لگا دیا جاتا جس سے اس کی زندگی کا اختتام ہوتا۔ مگر ایسے ہی زہر لگانے کے بعد ایک دفعہ فرش کو درست طریقے سے صاف نہیں کیا گیا اس لئے بادشاہ کا ایک وفادار بھی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ مگر سزا کے طور پر جن ملازموں کی غلطی تھی انہیں بھی فرش کو چاٹنے کے بعد مرنے پر مجبور کر دیا گیا۔

لگ نیگ میں مجھے علم ہوا کہ وہاں پر کچھ ایسے لوگ رہتے ہیں جنہیں کبھی موت نہیں آتی۔ میں یہ سن کر حیران پریشان تھا اور ان لوگوں سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ بادشاہ سے کہا کہ ان لوگوں کی زندگی کس قدر شاندار ہو گی جنہیں کبھی موت نہیں آتی۔ اپنی طویل العمری کی وجہ سے وہ وہ بہت زیادہ علم حاصل کر سکتے ہیں، سائنسی تجربات کے ذریعے انسانیت کی خدمت کر سکتے ہیں۔

میری غلط فہمی کو سمجھ لیا گیا اور قہقہہ لگاتے ہوئے جواب دیا گیا کہ ایسے لوگ جو کبھی کبھار ہی پیدا ہوتے ہیں بالکل بھی خوش نصیب نہیں ہوتے کیونکہ وقت پر ان کا بڑھاپا آجاتا ہے اور اس کے بعد یہ کسی کے لیے بھی فائدہ مند نہیں رہتے۔ بڑھاپے میں کوئی کام کرنے کے قابل نہیں ہوتے یہاں تک کہ اپنے ہاتھوں سے خود کھانا بھی نہیں کھا سکتے۔ اگرچہ ان کی عمر زیادہ ہوتی ہے مگر بوڑھے اپنے وقت پر ہی ہو جاتے ہیں اس لیے زندگی کا مزہ نہیں لے سکتے۔ جیسے ہی ان کی عمر ساٹھ ستر سال سے زیادہ ہوتی ہے تو ان کے گھر والے انہیں حکومت کے خرچ پر چلنے والے ایسے اداروں میں بھیج دیتے ہیں جہاں بوڑھے اور بزرگ لوگ ہی رہتے ہیں۔ میں وہاں گیا، انہیں دیکھا اور ایک تین سو سال کا بوڑھا شخص ایسا نظر آیا جو سانس بھی بڑی مشکل سے لے رہا تھا مگر افسوس کے موت جیسی نعمت کا مزہ کبھی بھی نہیں چکھ سکتا تھا۔ ایک تو اتنے زیادہ عرصے سے وہاں پر رہ رہا تھا کہ کسی کو یاد بھی نہیں تھا کہ وہ شخص یہاں پر کتنے عرصے پہلے لایا گیا تھا۔

لگ نیگ کے بادشاہ نے خواہش کا اظہار کیا کے میں وہاں پر اس کے لئے کام کروں اور وہاں پر ہی رہائش اختیار کر لوں۔ مگر مجھے تو اپنے ملک انگلینڈ جانے کی شدید خواہش تھی۔ وہ لوگ جاپان کے ساتھ بہت زیادہ تجارت کرتے تھے اور مجھے بھی کہا گیا کہ میں اس راستے سے واپس اپنے ملک جا سکتا ہوں۔ میں نے ایسا ہی کیا اور جاپان کے شہنشاہ نے لگ نیگ کے بادشاہ کا خط دیکھ کر میرا بہت خیال رکھا۔ کچھ دن وہاں گزارنے کے بعد میں نے اپنے ملک کی جانب سفر شروع کیا۔ پانچ سال اور چھ ماہ بعد ریڈرف اپنے گھر اپنے بیوی بچوں کے پاس پہنچ گیا۔

گلیور کا چوتھا سفر

A VOYAGE TO THE COUNTRY OF THE HOUYHNHNMS

باشعور اور عقلمند گھوڑوں کی سرزمین میں

پانچ مہینے میں نے گھر میں بیوی بچوں کے ساتھ بہت اچھے گزارے اور اس کے بعد مجھے ایک تجارتی بحری جہاز میں بطور کپتان کے سفر کرنے کی پیشکش کی گئی۔ میرے جہاز کا نام ایڈونچر تھا۔ سات ستمبر سترہ سو دس کو ہم نے سفر شروع کیا۔ راستے میں جہاز کے عملے میں سے کافی لوگ بیمار ہو گئے اور بخار کی وجہ سے مر گئے۔ نئے عملے کو جہاز پر رکھنے کے علاوہ اور کوئی راستہ نہ تھا تو بار باڈوس سے نیا عملہ لے لیا۔ مگر جو لوگ میں نے بھرتی کر لئے تھے وہ دراصل میری بدقسمتی سے بحری قزاق تھے۔ انہوں نے جہاز پر بغاوت کی اور قبضہ کر لیا۔ مجھے کئی دن تک جہاز میں بطور قیدی رکھا گیا۔ تین چار ہفتے اسی طرح گزر گئے۔ مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ کئی جگہ مختلف بندرگاہوں پر رکے اور وہاں پر سامان کی تجارت کی۔ مگر مجھے جہاز پر ہی قید رکھا جاتا۔ دراصل وہ تمام سامان بیچ کر اس بحری جہاز کو بحری قزاقوں کا جہاز بنانا چاہتے تھے تاکہ دوسرے جہازوں پر حملہ کر سکیں۔ نو مئی سترہ سو گیارہ کی تاریخ تھی جب مجھے ایک جزیرے پر چھوڑ دیا گیا۔ میرے پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ انھیں بھی اس جزیرے کے بارے میں کچھ علم نہیں۔

پریشان حال میں اس جزیرے کو دیکھ رہا تھا۔ پھر کسی گاؤں کی تلاش میں سفر شروع کیا۔ امید تھی کہ وہاں کے لوگ وحشی نہیں ہوں گے اور میری مدد کریں گے۔ میں نے سوچا تھا کہ میرے پاس جو ایک دو چیزیں ہیں وہ انہیں تحفے میں دے کر دوستی کر لوں گا۔ راستے میں مجھے اپنے دونوں جانب جو کے کھیت نظر آئے جو بڑے ترتیب اور سلیقے سے تیار کئے گئے تھے۔ کچھ دور چلنے کے بعد مجھے کچھ مختلف قسم کی مخلوق نظر آئیں جن کے سر سینے اور کمر پر بہت زیادہ بال تھے۔ بکروں کی طرح کی سی لمبی داڑھی۔ بھورے رنگ کا باقی جسم ننگا تھا۔ دو پیروں پر وہ چل رہے تھے۔ اس مخلوق کی دم نہ تھی اور انگلیوں میں موجود پنجوں کی مدد سے بہت تیزی سے درختوں پر چڑھ جاتی تھی۔ ان کی مادائیں جسامت میں چھوٹی تھیں مگر ان کے بال بڑے تھے۔ نر اور مادہ دونوں کے بال مختلف رنگوں کے تھے، بھورے، سرخ، کالے، پیلے۔ اس سے زیادہ کراہت والی مخلوق میں نے اپنی زندگی میں پہلے نہ دیکھی تھی۔

میں نے جب دیکھا کہ وہ مخلوق میری جانب بڑھ رہی ہے تو اپنی تلوار نکال لی اور اسے ڈرانے کی کوشش کی تو اس نے بلند آواز سے چیخیں مارنی شروع کر دیں۔ جسے سن کر اس کے دوسرے بہت سے ساتھی بھی وہاں پر آ گئے۔ بدصورت اور عجیب و غریب مخلوق نے

ہو چکی تھی۔ اسی وقت ایک گھوڑا وہاں پر آتا ہوا نظر آیا جسے دیکھ کر وہ بد صورت جانور بھاگ گئے۔ گھوڑا میرے قریب آیا اور مجھے تعجب اور حیرت سے دیکھنے لگا، میرا جائزہ لینے لگا۔ جب میں نے اس کی گردن پر ہاتھ پھیر کر پیار کرنے کی کوشش کی تو وہ پیچھے ہٹ گیا مگر مجھے غور سے دیکھتا رہا۔ اسی دوران ایک دوسرا گھوڑا بھی وہاں پر آگیا۔ وہ بھی مجھے حیران ہو کر دیکھ رہا تھا۔ اب دونوں گھوڑے میرے چاروں طرف چکر لگاتے ہوئے ہنہنانے کی ایسی آوازیں نکال رہے تھے جیسے گفتگو کر رہے ہوں۔ ایک لفظ جسے وہ بار بار دہرا رہے تھے وہ یاہو تھا۔ اپنا اگلا پیر اٹھا کر میری طرف اشارہ کرتے اور لفظ یاہو دہراتے۔ میرے کوٹ کو میرے ہاتھوں کو انہوں نے چھوا اور اس کی نرمی محسوس کر کے حیران ہوئے۔ میری ٹوپی کو چھوا مگر میں نے وہ دوبارہ اپنی جگہ پر رکھ لی۔ ہنہناتے ہوئے وہ آپس میں ایسے گفتگو کر رہے تھے جیسے ہم انسان ایک دوسرے سے کرتے ہیں۔ کافی دیر تک وہ مجھے چھوتے رہے حیران ہوتے رہے۔

گھوڑوں کو اس قسم کی حرکتیں کرتا دیکھ کر میں بھی پریشان ہو چکا تھا اور ایک طرف کو چل پڑا۔ مجھے تو انسانوں کی تلاش تھی جن سے مدد طلب کروں۔ میں سوچ رہا تھا کہ اس علاقے کے گھوڑے جب اتنے عقلمند ہیں تو انسانوں کی تو کیا ہی بات ہو گی۔

اسی وقت ایک گھوڑے نے اپنے پیر سے مجھے رکنے کا اشارہ کیا۔ میں سخت پریشان تھا اور ذہن میں اسی وقت خیال آیا کہ یہ یقینی طور پر کوئی جادوگر ہوں گے جنہوں نے اپنے آپ کو گھوڑوں کی شکل میں تبدیل کر لیا ہے۔ اس لئے ان کے سامنے جھک کر سلام کرتے ہوئے کہنے لگا کہ اگر آپ واقعی جادوگر ہیں تو میری گفتگو کو سمجھ سکتے ہیں۔ بحری جہاز والوں نے مجھے تنہا یہاں پر چھوڑ دیا ہے اور انسانوں کی تلاش ہے۔ آپ مہربانی فرمائیں مجھے اپنی کمر پر بٹھایا اور انسانوں تک لے جائیں۔ انہوں نے میری باتیں غور سے سنیں اور دوبارہ ہنہنانے لگے۔

یاہو کا لفظ جب بار بار ان کی زبان سے سنا تو میں نے بھی یہی لفظ دہرایا۔ جسے انہوں نے سنا حیران ہوئے اور دوبارہ لفظ یاہو ان کے منہ سے بر آمد ہوا۔ کچھ دیر میں یہ درست طریقے سے ادا کرنے کی کوشش کرتا رہا جیسے کہ وہ ادا کر رہے تھے۔ جسے سن کر وہ بہت خوش

نظر آئے۔ انہیں خوشی تھی کہ میں اچھے طریقے سے ان کی زبان کا لفظ ادا کر رہا ہوں۔ پھر ان دونوں گھوڑوں نے خدا حافظ کہنے کے لئے اپنے دونوں اگلے پیروں سے ہاتھ ملایا اور ایک وہاں سے چلا گیا۔ دوسرے نے مجھے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا تو میں سمجھا کہ یہ مجھے

رہی تھی کہ جلد ہی کسی انسان سے میری ملاقات ہو جائے گی۔ ایک چاقو، چند ہار، موتی اور کنگن میرے پاس تھے۔ سوچنے لگا کہ وہ ان انسانوں کو تحفے میں دوں گا تا کہ ان سے دوستی ہو سکے۔ گھوڑے نے مجھے اندر داخل ہونے کا اشارہ کیا۔ اندر تین گھوڑے اور دو گھوڑیاں انسانوں کی طرح بیٹھی ہوئی تھیں۔ یہ دیکھ کر میں حیران تھا۔ مگر اس سے زیادہ حیرت اس وقت ہوئی جب دیکھا کہ وہ لوگ گھر کے مختلف کاموں میں مصروف ہیں۔ انہوں نے بھی مجھ جیسے ایک اجنبی کو دیکھا حیران ہوئے۔ مگر شکر ہے کہ اسی وقت جس گھوڑے کے ساتھ میں آیا تھا وہ بھی اندر داخل ہو گیا۔

اس گھر میں دوسرے کمرے بھی موجود تھے۔ مجھے ایک کمرے کے اندر لے جایا گیا جو بہت صاف ستھرا تھا۔ گھوڑا مجھے وہاں بٹھا کر باہر چلا گیا تو میں سوچنے لگا کہ اب اپنے مالک کو لے کر آئے گا۔ مگر میں اس وقت پریشان ہو گیا جب اپنے مالک کو لانے کے بجائے وہ ایک گھوڑی اور اس کے دو بچوں کو اندر لے کر آیا۔ کمرے کے اندر باہر سے ہنہنانے کی آوازیں سن کر میں پھر سوچ رہا تھا کہ اس گھر کا مالک کتنا عقلمند ہو گا جس کے ملازم گھوڑے اتنے عقل مند اور ذہین ہیں۔ پھر میں سوچنے لگا کہ اپنے خراب حالات کی وجہ سے شاید میرا دماغ خراب ہو چکا ہے۔ میں نے اپنے آپ کو چٹکی لے کر دیکھا کہ کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہا۔ نہیں جو کچھ میں دیکھ رہا تھا وہ حقیقت تھی۔

گھوڑی نے مجھے قریب سے دیکھا اور دوبارہ گھوڑے سے ہنہناتے ہوئے کچھ گفتگو کی۔ یاہو کا لفظ کئی مرتبہ انہوں نے اپنی گفتگو کے دوران استعمال کیا۔ مجھے باہر آنے کا اشارہ کیا جہاں پانچ چھ وہی گندی مخلوق موجود تھیں جنہیں دیکھ کر مجھے کراہت ہوئی تھی۔ جب

بالکل انسانوں کی طرح کے مگر اصل میں جانور تھے جو اس وقت گھاس اور مردہ جانوروں کتوں وغیرہ کا گوشت کھا رہے تھے۔ ان سب کو گلے میں رسی کے ساتھ باندھا گیا تھا۔ اس گندی مخلوق میں سے ایک کو میرے قریب لایا گیا اور ایک گھوڑے نے اس کا اور میرا موازنہ کیا۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ ہم دونوں بالکل ایک طرح کے تھے۔ مگر گھوڑا حیران تھا کہ ہم میں جو چیزیں مختلف ہیں وہ کس طرح ہو گئیں۔ انہیں لباس کا علم نہیں تھا تو سوچنے لگے کہ میں ایک مختلف قسم کا یاہو ہوں۔ مجھے آزمانے کے لیے گوشت کا ایک ٹکڑا دیا گیا۔ اس کی بدبو سے میں نے منہ دوسری طرف کر لیا۔ پھر مجھے گھاس کھانے کو دی گی۔ میں پریشان ہو کر سوچ رہا تھا کہ کہیں یہاں پر فاقوں سے مرنا ہی نہ پڑے کیونکہ میں ان گندے جانوروں کی طرح تو کھا نہیں سکتا تھا جو مجھے دنیا کی گندی ترین مخلوق لگ رہی تھی۔

اس مخلوق کو دوبارہ رسی میں باندھنے کے بعد گھوڑے نے مجھ سے اشارے سے پوچھا کہ میں کیا کھانا چاہتا ہوں۔ ایک گائے کو دیکھ کر میں نے اشارہ کیا کہ اس کا دودھ پینا چاہتا ہوں۔ ایک کمرے میں لے جایا گیا جہاں بہت سا دودھ برتن میں رکھا ہوا تھا۔ میں نے وہ پیا تو جان میں جان آئی۔ خوش تھا کہ دودھ پینے کے بعد مجھ میں جان آجائے گی اور میں زندہ رہوں گا۔ گھوڑوں نے بھی جو کو دودھ میں گرم کیا اور پیا۔ ایک اور بڑا گھوڑا آیا جس کے ساتھ کچھ اور بندھے ہوئے یاہو بھی تھے۔ مجھے حیرانی سے دیکھا تو دوسرے گھوڑوں نے میرے متعلق بتایا۔ یاہو کا لفظ جب بار بار میں نے سنا تو شرمندگی محسوس کی کہ ایک گندی مخلوق کے ساتھ میرا موازنہ کیا جا رہا ہے۔ میں یہ دیکھ کر حیران ہو رہا تھا کہ میرے اپنے ملک میں تو کھانے کے دوران بچے شور شرابہ کرتے ہیں مگر یہ گھوڑے کے بچے کتنی تہذیب سے بیٹھے ہوئے ہیں۔ سب گھوڑوں نے انتہائی تہذیب سے کھانا کھایا اور شائستگی سے گفتگو شروع کی تو مجھے یاد آیا کہ ہم لوگ یعنی انسان کھانے کے دوران کتنا شور شرابہ کرتے ہیں۔

میں اپنے ہاتھوں میں دستانے پہنے ہوئے تھا جنہیں دیکھ کر میرا مالک بہت حیران ہوا کیونکہ ان کی وجہ سے میں گندی مخلوق یاہو سے مختلف بھی نظر آرہا تھا۔ اس کے کہنے کرنے پر میں نے وہ دستانے اتار دیئے۔ میرے سفید اور خوبصورت ہاتھوں کو دیکھ کر وہ حیران ہوا کیونکہ وہ باہر بندھے ہوئے گندے جانوروں سے بالکل مختلف تھے۔

بنالی۔ وہاں پر میں نے جو چار سال گزارے اس دوران اسی طرح روٹی تیار کرتا رہا۔ اپنے ملک میں میں گوشت اور شراب وغیرہ اور اسی طرح کی دوسری چیزوں کا استعمال کرتا تھا اور صحت اتنی اچھی نہیں تھی جتنی یہاں پر سادہ غذا کھا کر میں صحت مند اور تندرست رہا۔ آہستہ آہستہ ان کی زبان بھی سیکھتا رہا۔ میرا مالک مجھے اپنی زبان سکھا رہا تھا۔ ذہین تو میں تھا ہی اور دس ہفتے کے بعد اپنے مالک کے ساتھ گفتگو بھی کر رہا تھا اور ان کے سوالوں کے جواب بھی دے رہا تھا۔ وہ گھوڑے اپنی ناک کی مدد سے بہت آہستگی اور شائستگی سے گفتگو کرتے تھے۔ ہمارے ہالینڈ کے لوگوں کی طرح نہیں جو ایسے گفتگو کرتے ہیں جیسے لڑائی کر رہے ہوں۔

یہ گھوڑے ایک دوسرے کو ہوائے ہنمز کہتے ہیں۔ یعنی یہاں پر گھوڑے کا مطلب کائنات کی سب سے بہترین تخلیق ہے۔ بدی یا برائی کا ان کے اندر تصور تک نہیں ہے۔ جب میں نے اپنے مالک کو بتایا کہ میں یہاں پر کس طرح پہنچا تو وہ حیران ہوا کہ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو ایک دوسرے کے ساتھ برائی کریں، ایک دوسرے کو قتل کریں۔ میں نے سمجھانے کی کوشش کی کہ یہ تو انسانی فطرت ہے جس طرح یاہو کی فطرت۔ مگر پھر بھی وہ حیران تھا کہ ایک ذی شعور جو سوچنے سمجھنے کے قابل ہو کس طرح برائی کے راستے پر چل سکتا ہے۔

ہوائے ہنمز کی میں نے جو سب سے اچھی عادت دیکھی وہ انسان دوستی، رحم دلی اور مہربانی تھی۔ ہر ایک کے ساتھ محبت سے پیش آنا ان کی فطرت تھی۔ اگر کوئی اجنبی بھی ان کے گھر میں آتا تو اس کے ساتھ اپنے گھر والوں جیسا محبت کا سلوک کرتے۔

اگرچہ اپنے بچوں کے ساتھ محبت سے پیش آتے مگر ہماری طرح ایسی محبت نہیں کرتے جن سے ان کے بچے بگڑ جائیں اور اسی بہترین تربیت کی وجہ سے یہ بچے مکمل بالغ ہونے مکمل گھوڑا بننے کے بعد بھی اپنے والدین اور باقی تمام دنیا سے محبت اور تمیز سے پیش آتے۔ اپنے بچوں کی تعلیم پر بہت زیادہ زور دیتے۔ بچپن سے ہی انہیں جسمانی مشقت سے مضبوط بنایا جاتا۔ ریس کے مقابلے ہوتے جن میں اپنی صلاحیت دکھاتے۔

جلد ہی تمام علاقے میں خبر پہنچ گئی کہ میرے مالک نے ایک ایسا یاہو رکھا ہوا ہے جو دوسرے یاہوئوں سے تہذیب یافتہ ہے، گفتگو کر سکتا ہے۔ یہ سن کر ہوائے ہنم کی بڑی تعداد مجھے دیکھنے کے لیے آنا شروع ہو گئی۔ میرے لباس کو دیکھ کر وہ حیران ہوتے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ وہ میری جلد ہے۔ جہاں تک مجھے سمجھ آتی میں ان کے سوالوں کے جواب دینے کی کوشش کرتا۔

میرے چہرے ہاتھ اور گردن کے علاوہ ہوائے ہنم کے لوگوں کو کپڑے پہنے ہوئے ہونے کی وجہ سے میں نے کبھی اپنی اصلی جلد نہیں دکھائی تھی اور صرف سوتے ہوئے اپنے کپڑے اتارتا۔

مگر جیسے ہی اس نے بغیر کپڑوں کے میری اصل جلدی دیکھی تو چیختا چلاتا ہوا واپس اپنے مالک کے پاس چلا گیا۔ اسے جا کر بتایا کہ میں در حقیقت ایک یاہو ہوں جس کی جل سفید بھوری اور پیلے رنگ کی ہے۔ شور کی آواز سے میں بھی جاگ گیا اور جلدی سے کپڑے پہن کر اپنے مالک کے پاس گیا جس نے کہا کہ مجھے اپنی اصلی جلد دکھا دینی چاہیے۔ میرے بھی کپڑے پھٹنے والے تھے تو میں نے اپنے کپڑے اتار دیے، مگر میں بہت شرمندگی محسوس کر رہا تھا۔ میرے مالک نے کہا کہ قدرت نے مجھے جو چیز عطا کی ہے میں وہ دنیا سے کیوں چھپا رہا ہوں۔ ہمیں اپنی اصلیت دنیا سے نہیں چھپانی چاہیے۔

یاہو اور دوسرے جانوروں کی کھالوں سے میں نے جلد ہی اپنے کپڑے تیار کر لیے اور جوتے بنانے کے لیے خرگوش کی کھال کام آئی۔

میرے مالک نے مجھے سختی سے کہا کہ میں یاہو جیسے گھٹیا جانوروں کے قریب جانے کی کوشش نہ کروں کیوں کہ وہ مجھے نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ اور میں کیوں کے قریب جاتا کیوں کہ انہیں تو دور سے ہی دیکھ کر مجھے کراہت محسوس ہوتی تھی۔ ایک دفعہ تین سال کے چھوٹے سے یاہو کو میں نے روتے ہوئے دیکھا۔ مجھے اس پر پیار آیا اور اسے گود میں اٹھا کر پیار کرتے ہوئے چپ کرانے کی کوشش کی۔ مگر اس نے چیخیں مارنی شروع کر دیں۔ اپنے ناخن پنجے مارنے لگا اور کاٹنے کی بھی کوشش کی۔ میں نے جلدی سے اسے زمین پر اتار دیا۔ مگر اس کی بدبو میرے تمام کپڑوں میں بس چکی تھی اس لئے کپڑوں کو دھو کر پھر گھر واپس گیا جہاں سب لوگ میری اس حرکت پر بہت ہنسے۔

یاہو وہاں پر کیسے آئے اس بارے میں وہ حتمی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتے تھے۔ مگر مالک نے اندازہ لگایا کہ جس طرح میں وہاں پر پہنچا ہوں، بہت عرصے پہلے کچھ یاہو وہاں پر آئے ہوں گے۔ جنہوں نے وقت کے ساتھ اپنی تعداد میں بہت اضافہ کر لیا اور وقت گزرنے کے ساتھ ان کے وحشی پن میں بھی اضافہ ہوتا گیا ہوگا۔ اب ان کراہت والے جانوروں کو آبادی سے دور رکھا جاتا تھا۔ صرف جانوروں کی طرح گاڑی کھنچوانی ہوتی یا بوجھ کو اٹھانا ہوتا تو انہیں استعمال کیا جاتا۔ وہ یقینی طور پر انتہائی گندے جنگلی جانور تھے۔ وہاں رہتے ہوئے کبھی بھی نہ میں ان کے قریب گیا اور نہ انہیں قریب آنے دیا۔

میں نے اپنے مالک کو اپنے ملک اور اس کے رسم و رواج کے بارے میں بتایا، اپنے قانون اور آئین کے بارے میں بتایا، مگر جیسے جیسے میں انسانوں کے بارے میں بتاتا رہا ویسے ویسے میرے مالک کا یہ خیال پختہ ہوتا گیا کہ کسی یاہو کو اگر شعور مل جائے تو وہ اسے بہت غلط طریقے سے استعمال کرے گا۔ کیونکہ وہ بنیادی طور پر ایک گندی اور شرارتی مخلوق ہے۔

کوئی بھی شعور اور عقل رکھنے والا جان بوجھ کر جنگ کیسے کر سکتا ہے، جس سے اس جیسی مخلوق ہی مرتی ہے اور تباہ و برباد ہوتی ہے۔ اس کی یہ بات سمجھ میں آ ہی نہیں رہی تھی کہ لوگ جھوٹ کیسے بول لیں سکتے ہیں، ایک دوسرے کو کیسے قتل کر سکتے ہیں، وہ چوریاں کیوں کرتے ہیں، بلکہ اس نے تو صاف طور پر کہہ دیا کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں، ایسا کرنا کسی باشعور مخلوق کے لیے ممکن ہی نہیں کیونکہ ہوائے ہنم میں ایسی چیزوں کا تصور ہی نہ تھا۔ ایسی حرکات تو صرف یاہو ہی کر سکتے تھے۔

میں نے اپنے بارے میں بتایا کہ لکڑیوں سے بنائے ہوئے ایک بحری جہاز پر بیٹھ کر یہاں تک پہنچا اور پھر میرے جیسے لوگوں نے ہی مجھے مرنے کے لیے یہاں پر چھوڑ دیا۔ دوبارہ اس نے میری بات نامانی اور اس پر یقین کرنے سے انکار کر دیا کہ جنگلی اور کم عقل جانور ایسی چیزیں کہاں بنا سکتے ہیں۔

میں نے کہا کہ اس جگہ رہنے والے یاہو اور جہاں میں رہتا ہوں وہاں کے لوگ ذہانت میں بالکل مختلف ہیں۔ وہاں تو یاہو حکومت کرتے ہیں اور گھوڑوں کو جانوروں کی طرح لکھا جاتا ہے۔ میرا مالک یہ سن کر ناراض نظر آیا کہ ہوائے ہنم جیسی اعلی لنسل سے اس طرح کا کام کس طرح لیا جا سکتا ہے۔ میں نے کہا کہ میں یہ بتاتے ہوئے شرمندہ ہوں مگر حقیقت تو یہی ہے۔

پھر میں نے اسے بتایا کہ جانوروں کو کس طرح سدھایا جاتا ہے۔ استعمال کے لیے گھوڑے کو کون کون سی چیزیں پہنائی جاتی ہیں۔ یہ سن کر میرا مالک ناراض بھی ہوا اور خوفزدہ بھی کہ ہم کس قدر غلط لوگ ہیں جو اتنی اعلی نسل یعنی گھوڑوں کے ساتھ ایسا سلوک کرتے ہیں۔ وہاں پر اپنے قیام کے دوران میں نے بہت سی اچھی چیزیں ان سے سیکھیں۔ یہ سیکھا کے اپنے جیسے لوگوں کے ساتھ لڑنا کتنی بری بات ہے، پیار، محبت اور مہربانی کتنی اچھی چیز ہے۔ حقیقت تو یہ تھی کہ میری بہت سی انسانی برائیاں وہاں پر ختم ہو چکی تھیں۔ میں نے محسوس کر لیا کہ کہ ضروریات زندگی اور آرام کی خاطر میں نے بہت سی بری عادات کو پالا ہوا تھا۔ مثال کے طور پر شراب نوشی سے انسان کو کیا فائدہ ہوتا ہے صرف جسم کو نقصان ہی پہنچتا ہے۔

میں نے یہ بات بھی محسوس کر لیں کہ میں خوش ہو کر اچھا سمجھتے ہوئے جن لوگوں کے ساتھ پہلے رہتا رہا وہ تو دراصل ل یاہو کی طرح وحشی درندے تھے۔ میں نے اس بات پر سخت شرمندگی محسوس کی کہ دراصل میں یاہو کی طرح تھا اور اپنے آپ کو بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کرتا۔ ان کی طرح ہی گفتگو کرتا، چلنے کی کوشش کرتا۔ اپنے ملک پہنچنے کے بعد لوگ اس چیز کے گواہ تھے کہ میں بالکل گھوڑھوں کی طرح کی حرکات کرتا ہوا انہیں نظر آتا تھا۔ ہوائے ہنم کی طرح بننے اور زندگی گزارنے کی میں نے کوشش کی اور مجھے اس چیز پر فخر ہے۔

فصلوں کا کیا حال ہے، دوسرے جانوروں اور یاہوئوں کے متعلق گفتگو کرتے۔ یہاں پر ہی انہوں نے فیصلہ کیا کہ اگر کسی کے بچوں میں دو گھوڑیاں ہیں اور دوسرے کے پاس دو گھوڑے بچے تو وہ دونوں خاندان ایک ایک بچہ آپس میں تقسیم کر کے خاندان مکمل کر سکتے ہیں۔

وہاں سب سے بڑی مشکل یاہو تھے۔ اس لیے اس اجلاس میں ان کے بارے میں بہت غور و خوص کیا جاتا۔ اب ان کی تعداد بہت بڑھ چکی تھی جو ان کی فصلوں کو تباہ کرتے۔ ان کے جانوروں کو چوری کر لیتے۔ اس لیے انہیں ختم کرنے کی پوری کوشش کی گئی تھی۔ مگر وہ بہت تیزی سے اپنی نئی نسل پیدا کر کے تعداد میں دوبارہ بہت اضافہ کر چکے تھے۔ میرا مالک جو اپنے ڈسٹرکٹ کا نمائندہ تھا اس نے اجلاس میں بتایا کہ جہاں سے میں آیا ہوں وہاں گھوڑوں سے کام لیا جاتا ہے اور آپریشن کے بعد انہیں ایسا بنا دیا جاتا ہے کہ وہ مزید بچے پیدا نہ کر سکیں۔ اسی طرح یاہوئوں کو بھی ختم کیا جا سکتا ہے۔ دوسرے اچھے جانوروں سے ان کی جگہ محنت مشقت کا کام لیا جا سکتا ہے۔ اس جگہ پر واقعی بطور انسان مجھے اپنی بہت زیادہ خامیاں نظر آ گئی تھیں۔ جہاں سے میں آیا تھا یعنی انسانوں کے بارے میں سوچتا تو مجھے کراہت ہوتی کیونکہ ان کی عادات بھی یہاں موجود یاہو کی طرح ہی تھیں۔ مگر میں نے اپنے آپ کو سدھارنے کی اس قدر کوشش کی کہ کم از کم ایک کمتر ہوائے ہنم کی طرح کا تو بن جاؤں اور مجھے یہاں پر قبول بھی کیا جانے لگا۔ اب میری خواہش تھی کہ تمام زندگی ان اچھے لوگوں کے ساتھ زندگی بسر کروں۔

مگر ہر خواہش کہاں پوری ہوتی ہے۔ ایک دن میرے مالک نے مجلس میں شرکت کی جس میں میرے بارے میں تفصیل سے بحث کی گئی اور کہا گیا کہ میں در حقیقت ایک یاہو ہوں اور اپنی طرح کے غلیظ جانوروں کو جمع کر کے بغاوت کر سکتا ہوں۔ ان کی زمینوں اور دوسری اشیاء پر قبضہ کرنے کے بعد اس ملک پر بھی قبضہ کرنے کی کی کوشش کر سکتا ہوں۔ مجھے جیسا یاہو جو عقلمند بھی تھا ان کے لئے بہت خطرناک ہو سکتا تھا۔ اس لئے یا تو مجھے مار دیا جائے یا پھر میں جہاں سے آیا ہوں وہاں پر واپس چلا جاؤں۔

میرے مالک نے بہت غم زدہ لہجے میں مجھے یہ بات بتائی اور ایک کشتی تیار کرنے کا حکم دیا۔ دو مہینے کے اندر مجھے یہاں سے جانا تھا۔ ہوائے ہنم سے شدید محبت کی وجہ سے میں نے یہ خبر انتہائی افسوس کے ساتھ سنی اور گھبرا کر بیہوش ہو گیا۔ میں نے اپنے مالک سے بہت درخواست کی مگر اس نے کہا کہ مجلس کے فیصلے کے سامنے وہ بالکل بے بس ہے۔ اپنے ملازم سے کہا کہ وہ کشتی بنانے میں میری پوری مدد کریں۔ میں نے بہت مشکل سے کشتی تیار کی اور اس میں بہت زیادہ خوراک، دودھ، گوشت، پانی وغیرہ رکھا۔

وہاں سے رخصت ہوتے ہوئے میں بہت سخت اداس تھا اور اپنے مالک سے کہا کہ اس کی مہربانیوں کو میں کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔

میرے مالک کو بھی میرے جانے کا افسوس تھا اور اس کے ملازم سوریل نیگ نے کہا، اچھے اور مہربان یاہو اپنا بہت زیادہ خیال رکھنا۔

میں نے دوربین سے جائزہ لیا تو پانچ میل کے فاصلے پر ایک جزیرہ نظر آیا۔ میری خواہش تھی کہ کسی انسانی آبادی والے جزیرے پر پہنچ جاؤں تاکہ بھوک مجھے مار نہ سکے۔ مگر جس چیز کی اصل فکر تھی وہ یہ تھی کہ میں یاہوئوں کے پاس واپس جا رہا ہوں۔ میرے لئے مرنا آسان تھا اور یہ بات مشکل کہ میں واپس انگلینڈ چلا جاؤں۔

جزیرے پر پہنچا تو مجھے کچھ لوگ نظر آئے۔ بہت ہی کم لباس میں آگ کے قریب بیٹھے ہوئے۔ میں نے انہیں مخاطب کیا تو ایک نے تیر میرے اوپر چلا دیا۔ ان سے دور بھاگ کر ایک غار میں رات بسر کی۔ دوسرے دن سمندر میں دور ایک جہاز نظر آیا۔ ان لوگوں سے گفتگو کی۔ جب میں نے انہیں بتایا کہ انگلینڈ سے میرا تعلق ہے تو وہ سب میرے کپڑے دیکھ کر بہت حیران ہوئے۔ کیونکہ بات کرنے کے انداز اور کپڑوں سے میں وحشی نظر آ رہا تھا۔ کپتان نے جب جہاز پر آنے کے لیے کہا تو میں نے منع کر دیا۔ مگر مجھے زبردستی پکڑ کر وہاں لے گئے۔ جہاز کے کپتان کے قریب جانے کے لیے میں تیار نہ تھا۔ انسانوں سے آنے والی بدبو میرے لئے ناقابل برداشت تھی۔ کافی دیر بعد حواس بحال ہونے پر مہربان جہاز کے کپتان نے مجھے کھانے پینے کو دیا۔ شراب دی اور میرے بارے میں پوچھا تو میں نے کئی دن تک اسے کچھ بھی بتانے سے انکار کر دیا۔ مگر پھر اس کا اچھا اخلاق اور مہربانی دیکھ کر ہوائے ہنم کے ملک اور ان لوگوں کے بارے میں بتایا۔ لیکن مجھے علم تھا کہ میری باتوں پر وہ یقین نہیں کریں گے۔

بحری جہاز میں اپنے سفر کے دوران میں نے انسانوں سے ملنے اور ان سے بات چیت سے بالکل انکار کر دیا۔ جب مجھے کپڑے پہننے کو

ایک بندرگاہ پر جب بحری جہاز کے کپتان کے ساتھ میں گیا تو اتنے سارے انسانوں کو دیکھ کر میں بیہوش ہونے والا تھا اور سوچ رہا تھا کہ یہ مجھ پر حملہ کر کے مجھے مار دیں گے۔ جہاز کے کپتان نے مجھے بتایا کہ انگلینڈ جانے کے لیے ایک بحری جہاز تیار ہے اور مجھے اپنے گھر جانا چاہیے تو اپنے گھر جانے کی بجائے میں کسی بے آباد جزیرے پر رہائش رکھنے کا سوچنے لگا۔ مگر جہاز کے کپتان نے کہا کہ میں اپنے گھر میں بھی باقی لوگوں سے دور تنہا زندگی گزار سکتا ہوں اور میں نے اس کے مشورے پر عمل کرنے کا فیصلہ کیا۔ جب آخری ملاقات میں جہاز کے کپتان نے مجھ سے گلے ملنے کی کوشش کی تو میں دوبارہ کراہت کی وجہ سے بے ہوش ہونے لگا تھا اور پھر بحری جہاز میں بھی میں نے کسی مسافر سے یا کپتان سے ملنے سے انکار کر دیا۔

پانچ دسمبر سترہ سو پندرہ کو پانچ سال بعد میں اپنے گھر پہنچا۔ میری بیوی سمجھ رہی تھی کہ میں مر چکا ہونگا۔ مجھے دیکھا تو خوشی سے فوری طور پر قریب آکر مجھے پیار کیا۔ مگر انسان کی کراہت میں مجھے دوبارہ بیہوش کر دیا اور میں نے انہیں بتایا کہ کسی انسان کو میں قریب آنے کی اب اجازت نہیں دوں گا۔

اپنے گھر میں رہتے ہوئے اب مجھے پانچ سال ہو چکے ہیں مگر ابتدائی دن میں نے بہت مشکل سے انسانوں کے ساتھ گزارے۔ انہیں دیکھ کر مجھے کراہت ہوتی تھی اور ان کی بدبو میرے لئے ناقابل برداشت تھی۔ آج بھی میرے گھر والے بھی مجھے ہاتھ نہیں لگا سکتے اور میرے برتنوں میں کھانا نہیں کھا سکتے۔ پانچ سال کے بعد میں نے تھوڑی عادت تبدیل کرنے کے بعد اپنی بیوی کو اجازت دے دی کہ وہ میرے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا لے مگر میز کے دوسری جانب بیٹھ کر۔ مختلف خوشبوؤں اور تمباکو وغیرہ سے میں یاہو کی غلیظ بدبو سے دور رہنے کی کوشش کرتا رہا۔ پھر آہستہ آہستہ اپنے دوستوں سے ملنا شروع کر دیا مگر احتیاط کرتا کہ کہیں وہ مجھ پر حملہ کر کے زخمی نہ کر دیں۔

میں نے دو گھوڑے خریدے۔ ایک شاندار اصطبل ان کے لئے تیار کروایا اور خواہش ہوتی تھی کہ میں ان کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت بسر کروں۔ ان کی خوشبو مجھے اچھی لگتی۔ روزانہ چار گھنٹے ان سے باتیں کرتا اور وہ بھی سمجھ جاتے کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ دراصل

بعد میں

میں نے مملکت برطانیہ کو یہ بتانے سے انکار کر دیا کہ یہ عجیب و غریب ممالک کس جگہ پر واقع ہیں۔
کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا کہ ان پر قبضہ کر لیا جائے۔
سترہ سو بیس اور اکیس کے درمیان میں نے اپنے سفرنامے کو قلم بند کیا اور سترہ سو ستائیس میں نظر ثانی کی گئی۔

گلیور ٹریولز

جوناتھن سوئفٹ

سید عرفان علی

چارلس ڈکنز

کی تمام شاہکار کتب

آڈیو اور ٹیکسٹ

پامیلا

شامیلا

جوزف اینڈ ریلوز

ٹوم جونز

رابرٹ لوئی سٹیونسن کے بہترین ناول اردو آڈیو اور ٹیکسٹ

ٹریژر آئی لینڈ

کڈنیپڈ

ڈاکٹر جیکل اینڈ مسٹر ہائڈ

بوتل میں شیطان

سوئی سائڈل کلب

کیپٹن کرے جیئس

ایچ جی ویلز کے بہترین ناولز اردو آڈیو اور ٹیکسٹ

ٹائم مشین

وار آف دی ورلڈ

فرسٹ مین ان دی مون

کنٹری آف دی بلائنڈ

ان ویزی بل مین

آئی لینڈ آف ڈاکٹر مورو

آل ابروڈ فار ارورات

اناڑی بھوت